میرے بزرگو! اللہ نے آپ کے دلوں میں تبلیغ کی محبت ڈالی یہ مبارک کام ہے اور آپ مبارکباد کے مستحق ہیں، اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے بھائیوں کی بھی۔ (شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ)

اللہ کا راستہ کیا ہے؟

(تعلیم، تزکیہ اور تبلیغ کے تناظر میں)

تالیف

مُفتی شمشاد احمد مظاہری

اُستاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ضلع سہارنپور (یو،پی) انڈیا

ناشر

تحریک ایمان وعلم

گنگوہ ضلع سہارنپور (یو،پی)

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (البقرة:١٢٩)

اللہ کا راستہ کیا ہے؟

(تعلیم، تزکیہ اور تبلیغ کے تناظر میں)

مؤلف

مفتی شمشاد احمد مظاہری

استاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ سہارنپور

ناشر

تحریک ایمان وعلم

گنگوہ سہارنپور یوپی

Published:

TEHREEK-E-EEMAN&ILM

GANGOHSAHARANPUR(U.P)

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب: اللہ کا راستہ کیا ہے؟

مؤلف: شمشاد احمد مظاہری

رابطہ: 9045670532

صفحات: 216

اشاعت: 2018

تعداد: ایک ہزار

قیمت: 150/

ناشر: **تحریکِ ایمان وعلم** گنگوہ سہارنپور یوپی

کمپیوٹر کتابت: مولوی احمد عبد اللہ صدیقی سہارنپور

ناشر

تحریک ایمان وعلم گنگوہ سہارنپور یوپی

Published:
TEHREEK-E-EEMAN&ILM
GANGOHSAHARANPUR(U.P)

فہرست عناوین

حرفِ آغاز	13
قرآنی آیات میں ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق	19
احادیث میں ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق	26
اکابرِ تبلیغ دین کے تمام شعبوں کے قدرداں تھے	27
شیخ العرب والعجم محدث عصر حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحبؒ کی تحقیق	34
''فی سبیل اللہ'' کو صرف تبلیغ پر منطبق کرنا کبار علماء ومحدثین کے خلاف ہے	35
دین کو کسی ایک شعبہ تک محدود رکھنا جہالت ہے	37
دین کا کام کرنے والوں کو درپیش خطرات	39
دین ایک جسم اور مختلف شعبے اس کے اعضاء ہیں	41
مدارس کا احسان اور وجود تسلیم کرنا ہوگا	42
تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ تینوں ضروری ہیں	42
صرف اپنے شعبہ کو مفید سمجھنا جہالت ہے	43
دوسرے کو فریق نہیں بلکہ رفیق سمجھے	44
مدارس سے اعمال کا وجود ملتا ہے	44
ایک شعبہ کا خادم دوسرے شعبہ والا کا احترام کرے	45
صرف ہم سے دین پھیلتا ہے یہ نفس کا فریب ہے	45
افراط وتفریط سے احتراز اور اصلاح کی ضرورت	46
تعاون اور تنبیہ دونوں ضروری ہیں	48
حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ایک واقعہ	49
جماعت کو اہلِ علم کی ضرورت	51

فہرست عناوین

مدرسین اور طلباء کے تعلق سے مولاناؒ کا نقطۂ نظر 51
زمانۂ طالب علمی میں محنت کا طریقۂ کار 52
علم میں ترقی کا طریقہ 53
جملہ اہل علم کی ذمہ داری 53
طلبہ کیلئے تبلیغی جماعت میں شرکت 54
چند بے اعتدالیاں 54
دینی تحریک وادارے والے ایک دوسرے کے ممنون رہیں 56
معاشرہ کی ایک خرابی 58
علماء دین کے چوکیدار ہیں 58
دعوت وتبلیغ اور مدارس 60
بعثتِ نبویؐ کے تین مقاصد ہیں، تعلیم، تزکیہ، تبلیغ 60
ان سب کو دین سمجھنا ہماری ذمہ داری ہے 61
تبلیغ کے اہم رکن مولانا سعید احمد خان صاحبؒ کا ایک مکتوب 62
مدارس کی تحقیر تبلیغ کے لئے مضر ہے 63
مدارس دینی علوم کی ترویج اور دعوتِ دین کے مراکز ہیں 66
درس وتدریس بھی کارِ تبلیغ ہے 68
مدارس کے طلبہ واساتذہ اللہ کے راستہ میں ہیں 69
شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدرؒ اور مولانا زین العابدین صاحبؒ کا ایک واقعہ 69
ایک تبلیغی ساتھی کا مولانا کو وقت لگانے کیلئے کہنا اور اس پر مولاناؒ کا جواب 71

فہرست عناوین

مدارس تبلیغ کیلئے بمنزلہ وضو ہیں 71
حضرت تھانویؒ کا ایک قول۔ پڑھنا پڑھانا اصل تبلیغ ہے 72
تعلیم و تعلم نہ ہو تو علم معدوم ہو جائے 73
تبلیغ و تعلیم میں جوڑ قائم رکھئے 73
علماء و مبلغین کو تقابل کی راہ اپنانا امت کے لئے بے حد مضر ہے 74
باہمی تعاون کی ایک صورت 75
حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے یہاں علم واہل علم اور مدارس کی اہمیت وافادیت 77
میں علم و ذکر کی تقویت کیلئے کام کر رہا ہوں 77
علم و ذکر کے بغیر فتنہ کا اندیشہ 77
حضرت جیؒ کا تجوید و قراءت کی ترغیب دینا 79
علم دین اور ذکر کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں 80
قرآن کی تعلیم گھر گھر میں عام ہو جائے 81
علم و ذکر کے بغیر یہ تحریک سراسر مادیت ہے 81
علم و ذکر کے سلسلہ میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی فکرمندی 82
علماء پر اعتراض سخت چیز ہے 82
اکرام مسلم اور احترام علماء تبلیغ کی بنیادی چیز 83
اکابر علماء سے عقیدت اور ان سے نیازمندانہ تعلق 83
علماء کی خدمت میں حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو 84

فہرست عناوین

حضرت تھانویؒ اور ان کے متعلقین سے استفادہ کیا جائے 84
کام کرنے والوں کو حضرت تھانویؒ کی ہدایات پر چلنے کی تلقین 84
حضرت مولانا تھانویؒ کے متعلقین کی وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوئی 85
علماء عوام اور متعدد طبقات میں جوڑ پیدا کرنا حضرت جیؒ کا اہم مقصد تھا 86
تبلیغ والے علماء و صلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے کیلئے جائیں 86
ناگواری پیش آنے پر بھی علماء سے استفادہ جاری رکھیں 87
مسلمانوں کو علماء کی خدمت چار نیتوں سے کرنی چاہیے 87
علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں 88
مبلغین، اہلِ علم و ذکر کی سرپرستی میں تبلیغ کریں 89
علماء و صلحاء کی خدمت میں استفادہ و حصول برکات کی نیت سے حاضر ہوتے رہنا چاہیے 89
میواتیوں کو علماء کی خدمت کی ترغیب 90
اپنے تمام اساتذہ کا ادب واحترام آپ کا فریضہ ہے (طلبائے دار العلوم سے خطاب) 90
مدارس کو زیادہ سے زیادہ طلباء دینا حضرت جی کا منشاء تھا 91
حضرت جیؒ کے نزدیک دینی مدارس کا وجود مسلمانوں کیلئے نہایت ضروری تھا 92
حضرت جیؒ اس کام کو حضرت گنگوہیؒ کا فیضان سمجھتے تھے 93
علماء کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے 93
حضرت گنگوہیؒ سے عقیدت اور ان کے خلفاء سے استفادہ کا تعلق 93
تعلیم حضرت تھانویؒ کی اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو 94
علماء کے سامنے تواضع وانکساری 95

فہرست عناوین

حضرت شیخ اور مولانا عبداللطیفؒ ناظم مظاہر علوم سے اپنی اور کام کی نگرانی کی استدعاء 96
حضرت جیؒ کا شیخ الحدیث صاحبؒ سے دعاء و توجہ کی درخواست کرنا 97
حضرت مدنیؒ سے عقیدت و تعلق 99
تبلیغی کام علماء و مشائخ خانقاہ کے مشوروں کے ماتحت ہو 100
حضرت جیؒ عوام کو علماء کے قریب لائے 102
حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے یہاں علم و اہلِ علم اور مدارس کی اہمیت وافادیت 103
ابتدائی تعلیم 104
اعلیٰ تعلیم کیلئے جامعہ مظاہر علوم میں قیام 104
زمانۂ طالب علمی میں محنت کا ایک نمونہ 105
دو علمی یادگاریں 105
اکابر علماء سے عقیدت و محبت 108
حضرت مدنیؒ کی وفات دنیا سے بڑی خیر کا اٹھ جانا ہے 108
علماء کی خدمت میں حاضری کو عبادت سمجھیں 109
ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں 109
ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو التحیات یاد کرانے پر لگا دیں 110
علماء کے ذمہ دین کے دوسرے کام بھی ہیں 110
مدارس اور خانقاہوں میں دعاء کی درخواست کا اہتمام کیا جائے 111
اکابر علماء کا اعزاز و اکرام 111
ہم اکابر علماء کے ہر وقت محتاج ہیں 112
نسبتوں کا احترام 113

فہرست عناوین

دیوبند، سہارنپور جماعتیں بھیجنے کی وجہ 113

حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسنؒ کے یہاں علم واہلِ علم کی اہمیت وافادیت 113

علمی مقام 114

اندازِ تدریس 116

مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ کو دیکھ کر استقبال کے لئے کھڑے ہونا 117

مدرسہ دارالعلوم نیپانی کرناٹک کا سنگِ بنیاد 118

دین کی محنت سے مکاتب ومدارس بڑھیں گے 118

صرف دعوت کا کام کرنا اور باقی شعبوں کو نظر انداز کرنا غلط ہے 118

دین کے دوسرے کاموں کو ہلکا نہ سمجھیں 119

کام کرنے والوں میں تین چیزیں ہونا ضروری ہیں 119

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور دعوت وتبلیغ 120

حضرت شیخؒ دعوت وتبلیغ کا مرجع اور پشتیباں تھے 120

حضرت شیخؒ کی ہدایات میں علماء کے احترام اور اہلِ علم کی نگرانی میں کام لے کر چلنے کی تاکید 121

ضروری ہدایات 122

اہلِ علم کی نگرانی سے ہی اعتدال باقی رہ سکتا ہے 122

حضرت شیخؒ کا دفاعِ تبلیغ میں ایک ہزار سے زائد خطوط لکھنا 123

مدارس اور تبلیغ کا باہمی ربط 123

صرف اپنے ہی کام کو دین کا کام سمجھنا غلطی ہے 123

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور اور دعوت وتبلیغ 126

فہرست عناوین

دعوت و تبلیغ سے تعلق	126
اکابر تبلیغ سے تعلق	127
اساتذۂ دار العلوم کے ایک اعتراض کا دفعیہ	127
تبلیغی اجتماعات اور سہ روزہ جماعتوں میں شرکت	129
حضرت مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا انعام الحسنؒ کو تبلیغ میں لگانا	130
جماعت کے احباب کو نصیحت اور تنبیہ	130
تبلیغ میں لگ کر دوسرے شعبوں کو ہلکا سمجھنے والا غلطی پر ہے	131
حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ سفرِ میوات	131
علماء کی تنبیہات کی قدر کرنی چاہئے	132
دین کی ہر جدوجہد کیلئے نکلنا خروج فی سبیل اللہ ہے	132
علماء پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض	133
جماعت کے احباب مدارس اور خانقاہوں کا پورا احترام کریں	134
ہر ایک کو دوسرے کا کام قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے	134
دعوتِ دین کے مختلف طریقے ہیں	135
تبلیغی جماعت اور دار العلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور	136
تبلیغی جماعت اکابر اہلِ علم و مشائخ اولیاء کرام کی نظر میں	138
مروّجہ دعوت و تبلیغ سے متعلق چند مسائل	150
اختلاف میں بھی عدل و اعتدال کی پابندی ضروری ہے	163
اکابرِ تبلیغ تزکیہ و تصوف اور خانقاہیں	177
اکابر تبلیغ اور راہِ سلوک	177

فہرست عناوین

مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور راہِ سلوک	178
حضرت گنگوہیؒ سے بیعت	179
تجدید بیعت اور دیگر خانقاہی اکابر سے تعلق	180
تصوف وسلوک کے تعلق سے حضرت جیؒ کے بعض فرمودات وارشادات	181
علم وذکر کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں	182
ایک متعلق کو ذکرِ خفی کی تلقین	183
تین چیزوں کے مجموعہ کا نام تصوف ہے	183
اہلِ خانقاہ کی صحبت سے مستفید ہوں	184
ذکر اللہ کی کثرت اور اصلاحِ نفس کی ترغیب	184
اکابر علم کو مع عمل لئے بیٹھے ہیں	185
ذکر اور تقویٰ کی حقیقت	186
چوبیس گھنٹے مدرسہ وخانقاہ والا کام کرنا ہے	187
ذکر علم وعمل کا محافظ ہے	187
مولاناؒ کے نزدیک راہِ سلوک ضروری بھی تھا اور آسان بھی	187
ذکر کا معمول اور اہتمام	188
تبلیغی جماعت کا خانقاہوں سے ربط	188
جماعتوں کو خانقاہی نظام سے جوڑنا مولاناؒ کی پرانی تمنا تھی	189
خانقاہی نظام سے تعلق اور تزکیۂ نفس کی فکر	190

فہرست عناوین

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کاندھلویؒ اور راہِ سلوک	192
مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی امارت میں صاحبِ نسبت ہونے کا دخل	193
والدِ محترم سے بیعت ہونا	194
اجازت وخلافت	195
حضرت جی ثانیؒ کا طریقۂ بیعت	195
رمضان المبارک کا اعتکاف	196
حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور راہِ سلوک	197
بیعت وارادت	197
حضرت جی ثالث اور ذکر کا اہتمام	198
اجازت وخلافت	199
دعوت کی امارت اور سلسلہ بیعت	199
حضرت جی ثالثؒ اور شریعت وطریقت	200
حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کا طریقۂ بیعت	202
معمولات کی پابندی واہتمام کی ترغیب	202
سلوک وتصوف کے تعلق سے آپ کے چند مکتوبات	203
بیعت کے بعد مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی تعلیمات	205
ذکر کے بارے میں حضرت جیؒ کے خیالات	209
مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی فکری وسعت واعتدال	210
تصوف اور خانقاہی اعمال سے تعلق کو فکروں کا انتشار نہیں کہا جاسکتا	211
وسعتِ قلبی کی ضرورت	113
مصادر ومراجع	216

انتساب

☆ تبلیغ کے اکابرِ ثلاثہ (مولانا محمد الیاس صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحبؒ، مولانا انعام الحسن صاحبؒ) اور ان کے بے پایاں خلوص وللہیت کے نام۔

☆ برِ صغیر کی عظیم الشان دینی درسگاہ مادرعلمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، نیز جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ اور جامعہ کاشف العلوم چھٹمل پور کے نام، جہاں رہ کر فکر وشعور کو جلا ملی، احقر ان اداروں کی طرف انتساب کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔

☆ ولیٔ باصفا، عارف باللہ حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ، خلیفۂ خاص ریحانۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے نام، جن سے اصلاحی ربط کے طفیل احقر کو سلوک کی راہوں سے آگہی نصیب ہوئی۔

☆ والدین کریمین اور تمام اساتذۂ ذی احترام کے نام، الٰہی! بس تو ہی ان عالی مقام ہستیوں کو اپنی شایانِ شان اجرِ جزیل عطا کرسکتا ہے۔

العبد شمشاد احمد مظاہری

۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حرفِ آغاز

تبلیغی تحریک وہ ہمہ گیر عالمی تحریک ہے جس کی نقل وحرکت علاقائی ہی نہیں بلکہ ملکی اور جغرافیائی حدود کو پار کر کے پورے عالم میں رواں دواں ہے، دراصل یہ ثمرہ ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے بے پایاں اخلاص، امت کے لئے فکر وکڑھن اور درد وغم کا، اور ہمارے اکابر علماء کے اس کام کے تئیں صالح جذبات، دعاؤں سے نوازنے اور مسلسل کام کی نگرانی فرماتے رہنے کا، ہمارے تبلیغی اکابر ہمیشہ مشائخ وقت اور ہم عصر علماء سے جڑ کر چلے، ان کے دلوں میں اکابر علماء کا بے حد احترام اور گہری عقیدت تھی، بالخصوص مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا یہ حضرات ٹوٹ کر احترام کرتے تھے، دارالعلوم ومظاہر علوم کے اربابِ انتظام اور وہاں کے اصحاب درس وافتاء سے دلی وابستگی رکھتے اور خانقاہوں میں موجود عابدانِ شب بیدار سے دعاؤں کے لئے کہتے تھے تبلیغی جماعت کے ارکانِ ثلاثہ ہمیشہ اس کام کو اکابر علماء کے مشورے اور ان کی نگرانی میں آگے بڑھاتے رہے، مگر اب کچھ عرصہ سے صورتحال بالکل برعکس ہے، اکابر علماء سے بے اعتنائی برتنا اور دعوت کے قدیم کارکنان وعلماء کو حاشیہ پر کر دینا، بلاشک جماعت کے اکابر ثلاثہ کے نہج اور

منشاء کی صریح خلاف ورزی ہے، جو کہ انتہائی افسوسناک ہے، جب کہ یہ کام اپنے نہج پر اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جبکہ اسے اکابر کی فکروں، ان کے منشاء و نہج اور ان کی وسعتِ نظر کو سامنے رکھ کر اکابر علماء کی زیر نگرانی انجام دیا جائے۔

جنوبی ہند میں دعوت و تبلیغ سے منسلک رہے عظیم داعی حضرت قطب الدین ملا صاحبؒ فرماتے ہیں ”کام کرنے والوں کے لئے اپنے اکابر کی فکروں کا، ان کی منشاء کا اور ان کی وسعتِ نظر کا سمجھنا بھی ضروری ہے تاکہ کام اپنے نہج پر باقی رہے، اس کام میں بڑی وسعت ہے اور ہمیں وسعتِ قلبی کے ساتھ چلنا ہے، انیسویں صدی کے نصفِ اول میں بعض اہلِ قلم نے اپنے مضامین اور کتب میں اپنے قلم کو کچھ اس طرح چلایا کہ امت میں (الف) علماء پر اعتراض کرنے والے پیدا ہوئے اور (ب) اسلاف سے بے اعتمادی پیدا ہوئی، اس طرح آزادروی اور خودرائی کی فضا بننے لگی اور (ج) ذکر و تصوف کے بارے میں لکھا گیا کہ یہ زہر تھا جو امت کو تریاق سمجھ کر پلایا گیا، اس طرح مدرسہ و خانقاہ وغیرہ کی نفرت اور بے وقعتی امت میں پیدا ہونے لگی، اس وقت کے اکابر نے اس طرف پوری توجہ فرمائی کہ امت اس طرح کے فتنوں کا شکار نہ ہو جائے، علمائے حق نے اس طرح کے مفسد خیالات کا کھل کر جواب دیا، یہ وہ موقع تھا کہ ”تبلیغ و دعوت“ کا کام ابھی ابھر رہا تھا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بھی خطرہ کو محسوس کیا اور اس کے سدِ باب کی طرف توجہ فرمائی، (الف) جماعت میں نکلنے والوں کو ترغیب دی جاتی رہی کہ کسی مقام پر جائیں اور معلوم ہو کہ وہاں علماء و صلحاء رہتے ہیں تو پہلے ان کی خدمت میں حاضری دیں، ان سے دعاء کی درخواست کریں اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی

پوری فکر کریں، اس طرح کی ترغیب اس لئے دی جاتی تھی کہ علماء وعوام میں دوری نہ پیدا ہو (ب) دوسری طرف اسلاف سے بے اعتمادی پیدا نہ ہو کہ اس طرح خود رائی اور آزادروی کا شکار ہو کر امت دین سے دور نہ ہو جائے“۔

حالیہ کچھ عرصہ سے دینی مدارس کی تحقیر وتنقیص، وہاں پر ہونے والی قال اللہ وقال الرسول کی شب وروز کی محنتوں کو ہلکا کر کے پیش کرنے جیسی ناروا کوششیں کی گئی ”فی سبیل اللہ“ (اللہ کا راستہ) کے عمومی اطلاق کو محدود کر کے صرف مروّجہ تبلیغ پر منطبق کیا گیا، اور تعلیم وتعلّم، تزکیہ وسلوک جیسے اہم دینی شعبوں کو ”فی سبیل اللہ“ سے خارج سمجھا گیا، اہلِ علم کی افتاء وتدریس، اور تصنیف وتالیف، نیز مشائخِ خانقاہ کی اصلاحِ باطن اور سلوک وتصوف کے حوالہ سے کی جانے والی گراں قدر کوششوں سے عوام کو متنفر اور بیزار کیا گیا جس کا سلسلہ ہنوز بھی جاری ہے، جب کہ دعوت وتبلیغ کے ہمارے اکابر ہمیشہ اہلِ علم اور خانقاہی مشائخ کو سر آنکھوں پر بٹھایا کرتے اور ان کی محنتوں کا دل سے اعتراف کرتے تھے، موجودہ صورتحال بلاشک ہمارے ان اکابر کے نہج ومنشاء کے قطعی خلاف ہے، اور آخر کار اب اس کا نتیجہ بھی اکابر کی اس عظیم الشان تحریک میں برپاشدہ موجودہ اختلاف اور بحران کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، اس اختلاف کے تعلق سے احقر راقم السطور مزید کچھ عرض نہ کر کے نام ور عالمِ دین مولانا ندیم الواجدی کی ایک معتدل تحریر سے چند اقتباسات نقل کرنا مناسب سمجھتا ہے، لکھتے ہیں:

”اس وقت جماعتِ تبلیغ میں جو اختلافات برپا ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو بالکل ذاتی اور خاندانی نوعیت کے ہیں، یہ اختلافات بھی اگرچہ اب طشت ازبام ہو چکے ہیں، لیکن اس سے

ان کی نوعیت نہیں بدل سکتی، اس طرح کے اختلافات خاندان کے دائرے میں ہی حل ہونے چاہئیں اور وہیں حل بھی ہوں گے، دوسرا اختلاف امارت اور شوریٰ کا ہے، دونوں فریقوں کے پاس دلائل ہیں مگر یہ دونوں ہی فریق ایسے ہیں جو امیر کے ماتحت رہ کر بھی کام کر چکے ہیں اور شوریٰ کی موجودگی میں بھی کام کرتے رہے ہیں، اس وقت ان میں سے کسی فریق نے کبھی کوئی آواز نہیں اٹھائی، میرے نزدیک اس وقت یہ اختلاف ناقابلِ فہم ہے، یہ اختلاف بھی ذمہ دارانِ تبلیغ کو خود ہی ختم کرنا ہوگا، اگرچہ اس وقت دونوں کے راستے الگ الگ ہو چکے ہیں اور مستقبل قریب میں ان دونوں کے ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

بڑا اور اہم اختلاف نظریاتی اور علمی ہے، جس کا تعلق مولانا سعد صاحب کاندھلوی سے ہے، دارالعلوم دیوبند کی گرفت کے بعد اب ان نظریات پر سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ مولانا سعد اپنے نظریات کی صحت کے لئے دلائل رکھتے ہیں اور متعدد علماء نے ان کی تائید بھی کی ہے،...... مولانا سعد صاحب سے ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ اس مبارک و مسعود کام کی حفاظت کی خاطر اپنے افکار و نظریات کی قربانی دیں گے، آخری رجوع نامہ میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی پاسداری کریں گے، انہیں یہ خیال رہنا چاہئے کہ تبلیغ کا کام ان کے ہاتھوں میں امانت ہے، اس کی حفاظت ان کی ذمہ داری ہے، ان کی ذرا سی بے احتیاطی سے اس کام کو نقصان پہنچ سکتا ہے، جس کی تلافی مشکل ہی نہیں ناممکن ہوگی۔

جماعت کو دارالعلوم دیوبند سے جوڑے رکھنے کی ذمہ داری بھی مولانا سعد صاحب کے حوالہ ہے، ان کو اکابرِ تبلیغ سے جو خاندانی نسبت حاصل ہے اس کی بنیاد پر یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ امت کو مایوس نہیں کریں گے"۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اس کام کے تئیں بے حد محتاط تھے، ان کی احتیاط کی حد کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ اکابر اہلِ علم سے اپنی اور کام کی نگرانی کی درخواست کیا کرتے تھے، فرماتے ہیں:

’’میری اپنے دوستوں سے بڑے اصرار والحاح سے یہ درخواست ہے کہ وہ میری نگرانی کریں، جہاں غلطی کروں وہاں ٹوکیں، اور میری رشد وسداد کیلئے دعائیں بھی کریں‘‘

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ،ص:۱۲۹)۔

وہ اس کام میں خود کو بڑوں کے مشورہ کا پابند رکھنے کو دعوت کا اصول قرار دیتے تھے، فرماتے ہیں:

’’اس سلسلہ کا ایک اصول یہ ہے کہ آزادی اور خودرائی نہ ہو بلکہ اپنے کو بڑوں کے مشورہ کا پابند رکھو جن پر دین کے بارے میں ان اکابر مرحومین نے اعتماد ظاہر کیا، جن کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق معلوم ومسلّم ہے‘‘ (ایضا،ص:۱۳۰)۔

غرض یہ کہ اکابر کی اس عظیم الشان امانت کو ان کے نہج اور منشاء پر تبھی باقی رکھا جاسکتا ہے جبکہ یہ کام اکابر اہلِ علم ومشائخ کی زیرِ نگرانی اور تمام دینی شعبوں سے مربوط رکھ کر آگے بڑھایا جائے، پیشِ نظر کتاب کا بنیادی خاکہ احقر کا جماعتِ تبلیغ پر تحریر کردہ وہ مضمون ہے جو ’’اللہ کا راستہ کیا ہے‘‘ کے عنوان سے جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے موقر ماہ نامہ ’’صدائے حق گنگوہ‘‘ کی مختلف اشاعتوں میں قسط وار شائع ہوتا رہا ہے، جس کو نہایت پسند کیا گیا اور معتدل الفکر تبلیغی احباب نے بھی اس کو خوب سراہا، **فللہ الحمد ولہ الشکر علیٰ ذٰلک۔**

مذکورہ مضمون دراصل احقر کے محسن وکرم فرما، استاذی واستاذ الاساتذہ جناب حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث ثانی وناظم جامعہ ہذا کی تحریک بلکہ حکم پر شروع کیا گیا تھا، راقم حضرت کا ممنونِ کرم ہے اور دست بدعاء ہے کہ اللہ رب

العزت آں محترم کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور آپ کے علمی وعرفانی فیضان کو تا دیر جاری وساری رکھے، آمین۔

متعدد احباب کا اصرار تھا کہ اس کو کتابی شکل میں طبع کرایا جائے تا کہ افادیت عام ہو اور عامۃ الناس کے ذہنوں میں مدارس وخانقاہوں اور اہلِ علم ومشائخ کی طرف سے پیدا شدہ خلجانات کو خود اکابر تبلیغ کے اسوہ کی روشنی میں دور کیا جائے، مگر تدریسی مصروفیات کے باعث یہ بہت جلد ممکن نہ ہوسکا، بہر حال اب ضروری اور مفید اضافوں کے ساتھ اس کو پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، دعاء ہے کہ اللہ رب العزت احقر کی اس حقیر سی کاوش کو شرفِ قبول عطا کر دے اور امت کو تمام دینی شعبوں کی قدر دانی کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

العبد شمشاد احمد مظاہری

مدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

قرآنی آیات میں ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق

'' فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ''

قرآن کریم میں یہ لفظ بار بار آیا ہے، قرآن پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سبیل اللہ کا لفظ تین طرح استعمال کیا گیا ہے، اس کا پہلا اطلاق اور استعمال جہاد کے لئے ہوا ہے، اور جہاد فی سبیل اللہ ہی کے ساتھ یہ لفظ خاص ہے، جیسے ''یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ''یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' اور اس قسم کی دیگر آیتیں ہیں، یہ جہاد کے ساتھ خاص ہیں، اور صریح طور پر قرآن میں ''سبیل اللہ'' کا لفظ ۳۶ رمقامات میں مذکور ہے، اس لفظ کا دوسرا اطلاق اور استعمال عموم کے طور پر مطلق ''دین'' کے لئے ہوا ہے، جو دین کے تمام شعبوں کے لئے عام ہے، کسی شعبہ کے ساتھ خاص نہیں، جیسے ''یصدون عن سبیل اللہ'' اور اس کے علاوہ دیگر آیتیں ہیں، صریح طور پر قرآن کریم میں یہ لفظ ۲۵ رمقامات میں مذکور ہے، اس لفظ کا تیسرا اطلاق مشترک طور پر ہوا ہے، کبھی انفاق فی سبیل اللہ میں استعمال ہوا ہے، کبھی جہاد میں استعمال ہوا ہے، اور کبھی مطلق دین کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جیسے ''وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ'' والی آیت ہے، صریح طور پر قرآن میں یہ لفظ سات مقامات میں استعمال ہوا ہے۔

علامہ نوویؒ نے واضح طور پر ''المجموع'' میں لکھا ہے کہ سبیل اللہ کا پہلا مصداق جہاد فی سبیل اللہ ہے، ابن دقیق العیدؒ نے بھی اسی طرح لکھا ہے، اور ابن

حزم اندلسیؒ نے ''المحلیٰ'' میں اسی طرح تحقیق فرمائی: امام احمد بن حنبلؒ اور امام محمدؒ نے ''سبیل اللہ'' کے مفہوم میں ایک حدیث کی وجہ سے حاجیوں اور علمِ دین کے طلباء کو بھی داخل مانا ہے، صاحبِ ہدایہ نے کتاب الزکوٰۃ میں ''فی سبیل اللہ'' کی تشریح میں لکھا ہے "ای المنقطع الغزاۃ لانه المتبادر عند الاطلاق" یعنی جب فی سبیل اللہ مطلق استعمال ہو تو اس کا پہلا مصداق غازی ہوتے ہیں، مشکوٰۃ شریف میں ''کتاب الجہاد'' میں یہ لفظ تقریباً ۹۰/نوّے بار آیا ہے، جو جہاد کے لئے استعمال ہوا ہے، لہذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ لفظ ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم کو نہ زیادہ تنگ رکھے اور نہ زیادہ وسیع کرے ''سبیل اللہ'' کو اہل تبلیغ اپنے کام کے ساتھ خاص کرتے ہیں جو غلط ہے (تقریر مشکوٰۃ مولانا فضل محمد زئی/ص:۴۷/ج:۲)۔

''فی سبیل اللہ'' کے خصوصی و عمومی اطلاق کے تعلق سے چند آیات تحریر کی جاتی ہیں:

1) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (بقرہ۲/۲۶۱)۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت (عنداللہ) جس سے (فرض کرو) سات بالیں جمیں اور ہر بال کے اندر سو دانے ہوں۔

2) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ

مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (بقرہ ۲/۲۶۲) جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو اس پر احسان جتلاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے اس کو) آزار پہنچاتے ہیں، ان لوگوں کو ان (کے اعمال) کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ وہ مغموم ہونگے۔

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ جولوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنی حج میں یا جہاد میں یا فقراء ومساکین اور بیواؤں اور یتیموں پر، یا بنیت امداد اپنے عزیزوں اور دوستوں پر، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک دانہ گیہوں کا عمدہ زمین میں بوئے، اس دانہ سے گیہوں کا ایک پودا نکلے جس میں سات خوشے گیہوں کے پیدا ہوں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دانہ سے سات سو دانے حاصل ہو گئے۔ دوسری آیت میں صدقہ کرنے کے صحیح اور مسنون طریقہ کا بیان اس طرح فرمایا گیا ہے کہ جولوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ جن کو دیا گیا ہے ان کو کوئی ایذا پہنچاتے ہیں، ان کا ثواب ان کے رب کے پاس محفوظ ہے، نہ ان پر آئندہ کے لئے کوئی خطرہ ہے اور نہ گذشتہ پر کوئی رنج وغم (معارف القرآن ۲۳۱/۲۳۲)۔

معلوم ہوا کہ ان آیات میں ''فی سبیل اللہ'' سے خیر کے تمام امور اور

بھلائی کے سبھی راستے مراد ہیں، خواہ حج ہو یا جہاد، صدقہ ہو یا خیرات، اپنے اعزہ واقارب پر بطور صلہ رحمی خرچ کرنا ہو یا تعلیم وتبلیغ میں صرف کرنا ہو۔

3) لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (بقرہ ۳/۲۷۳)(صدقات) اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں۔ یعنی دین کی خدمت اور علوم ظاہری وباطنی کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں، قرآن پاک حفظ کرتے ہیں اور علم دین سیکھتے ہیں اور ظاہری وباطنی دشمنوں سے جہاد میں لگے ہوئے ہیں، ظاہری دشمن سے کفار مراد ہیں اور باطنی دشمن سے نفس امّارہ مراد ہے، جس طرح کافروں کی گردن کشی کے لئے جہاد وقتال بزرگ ترین عبادت ہے اسی طرح نفس کشی کے لئے مجاہدات اور ریاضیات بھی عظیم ترین عبادت ہے، حدیث میں ہے ''المجاهد من جاهد نفسه'' اور ایک ضعیف روایت میں جہاد نفس کو جہادِ اکبر فرمایا ہے، جیسے اصحابِ صفّہ تجارت اور زراعت کو چھوڑ کر حضور پُرنور ﷺ کی مسجد کے قریب جو ایک صفّہ (چبوترہ اور سائبان) تھا وہاں لیل ونہار بسر کرتے تھے تاکہ حضور ﷺ کی صحبت میں علم سیکھیں اور جب جہاد کا موقع آئے تو جہاد میں جائیں (معارف القرآن ادریسی ۱/۵۲۲)۔

صاحبِ جلالین نے ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر جہاد اور تعلیم قرآن سے کی ہے (تفسیر جلالین ۴۳) معلوم ہوا کہ آیت شریفہ میں ''اللہ کے راستہ'' سے مراد طلبِ علم اور جہاد کا راستہ ہے، نیز راہِ تصوف وسلوک بھی اس میں داخل ہے، چونکہ

اس آیت کا نزول اصحابِ صفہ کی شان میں ہوا ہے جن کا ایک خاص وصف مجاہدۂ نفس اور تزکیۂ نفس بھی تھا۔

4) قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ (آل عمران ۱۳/۳) بیشک تمہارے لئے بڑا نمونہ ہے دو گروہوں (کے واقعہ) میں جو کہ باہم ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے، ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے تھے (مسلمان) اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے، یہ کافر اپنے کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصے (زیادہ) ہیں، کھلی آنکھوں دیکھنا۔

اس آیت میں جنگ بدر کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے جس میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے جن کے پاس سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے، دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے، جن کے پاس کل ستّر اونٹ ، دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور تماشہ یہ تھا کہ ہر اک فریق کو حریفِ مقابل اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا (معارف القرآن ۲/۲۶، بحوالہ فوائد عثمانی)۔ اس آیت میں ''اللہ کے راستہ'' سے مراد جنگِ بدر ہے۔

5) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (الانفال ۱۰/۴۷) اور ان (کافر) لوگوں کے مشابہ مت ہونا کہ جو (اسی

واقعۂ بدر میں) اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان) دکھلاتے ہوئے نکلے، اور لوگوں کو اللہ کے راستے (یعنی دین) سے روکتے تھے، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے(معارف القرآن) یہاں آیت شریفہ میں ''اللہ کے راستہ'' سے مراد دین اسلام ہے جیسا کہ تفسیر سمرقندی میں ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیمؒ (المتوفی ۳۷۵) نے اس کی صراحت کی ہے (تفسیر سمرقندی ۲۰/۲)۔

6) اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَايَسْتَوٗنَ عِنْدَاللّٰهِ وَاللّٰهُ لَايَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (التوبہ ۱۹/۱۰) کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص (کے عمل) کے برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک اور جو لوگ بے انصاف ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتا۔

7) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَاللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے واسطے انہوں نے ترکِ وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا، وہ درجہ میں اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں (معارف القرآن ص ۳۲۴ ج ۴)۔

اس پوری تفصیل کے بعد سمجھئے کہ سورۂ توبہ کی ان دونوں آیتوں میں ''اللہ کے راستہ'' سے مراد جہاد اور ہجرت ہے۔

8)ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی أحسن إن ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین(النحل۱۲۴)۔

آپ اپنے رب کے راستے کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے، آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستہ سے گم ہو اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے(معارف القرآن ۴۱۸/۵)۔

اس آیت مبارکہ میں دو مقام پر ''اللہ کے راستہ'' کا ذکر ہے، دونوں جگہ اس سے مراد دین اسلام ہے، (دیکھئے تفسیر جلالین ۲۲۸ تفسیر سمرقندی ۲۵۵/۲)۔

الیٰ سبیل ربک : دعوت الی سبیل اللہ کا یہ عنوان ایک وسیع مفہوم کا حامل ہے، جو دین کے تمام تر شعبہ جات کو شامل ہے، درس وتدریس، افتاوتخریج، تزکیۂ نفوس اور اصلاحِ باطن، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف اور وعظ وتلقین سبھی اس عنوان کی ذیلی شاخیں ہیں، مدارس میں تعلیم دین کا مشغلہ، خانقاہوں میں ذکر وفکر کے معمولات، دعوتی وتبلیغی لائن سے کی جانے والی نقل وحرکت وغیرہ یہ سب چیزیں دین کے شعبے ہیں۔

احادیث میں "فی سبیل اللہ" کا مصداق

1) یزید بن ابی مریمؒ کہتے ہیں کہ میں نماز جمعہ کے لئے جا رہا تھا کہ مجھے عبایہ بن رفاعہؒ ملے اور فرمایا تمہیں بشارت ہو اس لئے کہ تمہارے یہ قدم اللہ کی راہ میں ہیں، میں نے ابوعبسؓ کو یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے قدم خدا کی راہ میں غبار آلود ہوئے ہوں تو وہ جہنم کی آگ پر حرام ہیں (ترمذی ۲۹۲/۱)۔

یہ ارشاد گرامی دراصل راہِ جہاد میں سعی و مشقت کے اظہار کا کنایۃً پیرایۂ بیان ہے اور بطریق مبالغہ اس بات کو بیان کرنا ہے کہ جب محض قدموں کا غبار آلود ہو جانا دوزخ کی آگ سے حفاظت کا ضامن ہے تو نفسِ جہاد کی فضیلت کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں "فی سبیل اللہ" کا مصداق سعی الی الجہاد ہے، اور شریعت کے عرف میں اللہ کے راستہ سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے، البتہ کبھی کبھی (مجازاً) ان الفاظ کا اطلاق حج کے لئے جانے اور رزق حلال کمانے پر بھی ہوتا ہے (اللمعات شرح المشکوٰۃ) علاوہ ازیں اگر ہم مذکورہ حدیث کے ابتدائی کلمات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عبایہ بن رفاعہؒ نے سعی الی الجمعہ کو بھی "فی سبیل اللہ" میں شمار کیا ہے، انہوں نے جب یزید بن ابی مریم کو نماز جمعہ کے لئے جاتے دیکھا تو ان سے فرمایا تمہارے لئے بشارت ہے کیونکہ تمہارے یہ قدم اللہ کے راستہ میں ہیں۔ اس سے اتنی بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ فی سبیل اللہ کا

مجازی اطلاق دین کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ مختص نہیں کیا جاسکتا بلکہ دین کے مختلف النوع شعبوں پر اس کا اطلاق عام رہے گا، تعلیم ہو یا تبلیغ، تزکیہ ہو یا تصنیف سب خدمتِ دین کے شعبے ہیں، اور امت کو ان تمام کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک نکتہ کا ذکر بھی لطف سے خالی نہ ہوگا کہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان چاروں (تعلیم، تبلیغ، تزکیہ، تصنیف) کے شروع میں ''تا'' ہے جس میں واضح اشارہ ''وحدت'' اور ''اتحاد'' کی ''تا'' کی طرف ہے، اور یوں کہنا حق بجانب ہے کہ دین کے یہ سارے کام ایک منزل تک پہنچنے کی مختلف راہیں ہیں اور وہ منزل ہے ''رضائے رب''۔

اکابرِ تبلیغ دین کے تمام شعبوں کے قدرداں تھے

الحمدللہ! دعوت وتبلیغ کے ہمارے اکابر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ وغیرہم نے دین کے ان چاروں ہی شعبوں کو بڑی عظمت اور خلوص کے ساتھ اپنی ذات میں مجتمع کرلیا تھا۔

بقول مولانا محمد عمرین رحمانی ''اکابر تبلیغ کا یہ امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے دینی خدمت کے ان چار شعبوں کو پوری اہمیت، عظمت اور قدر دانی کے ساتھ اپنایا'' انہوں نے تنقید اور تنقیص کے بجائے جامعیت اور قدر دانی کی راہ اختیار کی، کون نہیں جانتا مولانا محمد الیاس صاحبؒ تبلیغی جماعت کے بانی تھے، اور مدرسہ مظاہر علوم پر جان چھڑکنے والے بھی، اور راہِ تصوف وسلوک میں ان کے

بالاختصاص خلیفہ، مولانا محمد یوسف صاحبؒ اگر حضرت جی ثانی تھے تو مدرسہ کاشف العلوم میں ابوداؤد شریف کے مدرس بھی اور اپنے والد ماجد کے مرید وخلیفہ، اور ایسے علمی ذوق کے مالک کہ اپنی بے پناہ دعوتی مشغولیتوں کے باوجود ''حیات الصحابہ'' اور ''امانی الاحبار شرح معانی الآثار'' جیسی ضخیم کتابیں تصنیف فرمائیں، تبلیغی جماعت کے تیسرے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ اگر ایک طرف دینی دعوت کے عظیم ستون تھے تو دوسری طرف مدرسہ کاشف العلوم (مرکز) کے شیخ الحدیث بھی، اور اپنے وقت کے عظیم شیخ طریقت اور مصلح ومربی اور کئی کتابوں کے مصنف ومرتب بھی!، ان بزرگوں کے علاوہ تبلیغی جماعت کے لئے عظیم خدمات انجام دینے والے اور اس کے عہدِ اولیں میں اس کے پشتیباں بن جانے والے تین نامور علماء کرام، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے جس توازن، حسنِ ترتیب اور سلیقہ کے ساتھ دینی دعوتی خدمات کی انجام دہی کی اس نے سلفِ صالح کے چھوڑے ہوئے نقوش کو مزید تابندگی بخشی، خدمتِ دین کے مختلف النوع شعبے ان کی زندگی میں ایسے رچے بسے تھے جیسے شاخِ گل میں بادِ سحر گاہی کا نم'' (ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ)۔

2) حضرت زید بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے 'جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے سامان فراہم کیا اس نے (گویا) جہاد ہی کیا، اور جس نے مجاہد کے اہل وعیال کا خیال رکھا تو اس

نے بھی گویا جہاد ہی کیا (ترمذی ۱/۲۹۳) حدیث پاک میں ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق جہاد ہے۔

3) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر باندھ دی گئی ہے (یعنی گھوڑے جہاد کا بہترین سامان ہیں) گھوڑے تین آدمیوں کے لئے ہیں (۱) ایک آدمی کے لئے تو گھوڑا اجر وثواب کا باعث ہے (۲) دوسرے کے لئے پردہ ہے (۳) تیسرے شخص کے لئے گناہ کا سبب ہے۔ رہا وہ شخص جس کے لئے گھوڑا اجر کا باعث ہے تو یہ وہ ہے جو گھوڑے کو اللہ کے راستہ (جہاد) میں استعمال کے لئے پالتا ہے اور اس کے لئے تیار کرتا ہے، یہ گھوڑا اس کے لئے اجر کا باعث ہے اور یہ جو کچھ بھی اسے کھلاتا پلاتا ہے اس کے لئے اس کا بھی ثواب لکھ دیا جاتا ہے (ترمذی ۱/۲۹۳)۔

4) **عن ابی نجیح السلمی قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من رمیٰ بسھم فی سبیل اللہ فھو لہ عدل محرر، ھذا حدیث حسن صحیح** (ترمذی ص: ۲۹۳/ج:۱)۔ ابو نجیح سلمیؓ نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے ''کہ جس نے اللہ کی راہ (جہاد) میں تیر پھینکا تو وہ اس کے لئے ایک غلام یا باندی آزاد کرنے کے برابر ثواب رکھتا ہے'' یعنی جو شخص جہاد کے موقع پر تیر چلائے، گرچہ وہ تیر دشمنوں کو نہ لگے تو بھی ثواب کا باعث ہے اور بعض حضرات نے اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں فرمایا کہ جو شخص بارادۂ شرکت، معرکۂ کارزار میں

اس حالت میں پہونچا کہ تیروں سے لیس تھا مگر تیر چلانے کی نوبت نہ آئی تو بھی فضیلت کا مستحق ہے (مرقاۃ المفاتیح ۷/۳۰۹)۔

حدیث پاک میں ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق جہاد ہے۔

5)عن ابن عباس قال سمعت رسول الله ﷺ يقول عينان لا تمسهما النار عين بكت من خشية الله وعين باتت تحرس في سبيل الله (ترمذی ر ص:۲۹۴ ر ج:۱) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ چھو بھی نہیں سکے گی، (۱) ایک وہ آنکھ جو خوفِ خدا سے روئی ہو (۲) دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ (جہاد) میں (مجاہدین کی) حفاظت کرتے ہوئے رات گذاری ہو۔

پیشِ نظر روایت میں بھی ''فی سبیل اللہ'' سے قتال ہی مراد ہے۔

ملا علی قاریؒ نے حدیث پاک کی تشریح میں لکھا ہے کہ ''عين بكت من خشية الله'' یہ مرتبہ ان حضرات کا ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد میں مشغول رہتے اور اپنے گناہوں کی توبہ کے لئے بارگاہ رب العزت میں گڑگڑاتے ہیں، اس میں عالم وغیر عالم دونوں شامل ہیں، اور ''عين باتت تحرس في سبيل الله'' ''مجاهدين في العبادة'' کا مرتبہ ہے، جس کے تحت حج، تحصیل علم، جہاد اور دوسری عبادات بھی آجاتی ہیں، مگر آگے چل کر لکھتے ہیں ''والاظهر أن المراد به الحارس للمجاهدين لحفظهم عن الكفار'' (یعنی زیادہ ظاہر

یہ ہے کہ اس کا مصداق وہ شخص ہے جو رات میں جاگ کر مجاہدین اسلام کی کافروں سے پاسبانی کرتا ہے)(مرقاۃ المفاتیح ۲۹۲/۷)۔ اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ "فی سبیل اللہ" کی احادیث اور روایات کو ذکر کرنے میں حضرات محدثین (بشمول مصنفینِ صحاح ستہ) کا اصل نقطۂ نظر جہاد کی فضیلت یا اس کی دیگر تفاصیل کو بیان کرنا ہوتا ہے، بقول استاذی المحترم محدث و مفتی حضرت اقدس مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کہ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور دیگر تمام محدثین عظام کا یہ طرز عمل اس طرف مشیر ہے کہ "فی سبیل اللہ" کا واقعی مصداق جہاد ہے، یہی تو وجہ ہے کہ حضرات محدثین "فی سبیل اللہ" کی روایات کی تخریج "کتاب الجہاد" اور کتاب المغازی" کے ذیل میں کیا کرتے ہیں۔

6) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر مرنے والا اپنے عمل پر اختتام پذیر ہوتا ہے (یعنی اس کا عمل اس کی زندگی تک رہتا ہے، موت کے بعد اس عمل پر نیا ثواب ملتا رہے ایسا نہیں) لیکن جو شخص اللہ کے راستہ (جہاد) میں سرحدِ اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے جان دیدے تو اس کے لئے اس کا عمل قیامت تک بڑھا دیا جاتا ہے اور وہ عذاب قبر سے مامون رہتا ہے (راوی کہتے ہیں) کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "حقیقی مجاہد وہ شخص ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے" (ترمذی ۲۹۱/۱)۔

یعنی انسان کے مرجانے کے بعد اس کے عمل پر ملنے والے ثواب میں نہ اضافہ ہوتا ہے اور نہ کوئی کمی، لیکن مجاہد کو موت کے بعد بھی سرحدِ اسلام کی

محافظت کا ثواب ملتا ہی رہتا ہے اور اس میں اضافہ جاری رہتا ہے (حاشیہ ترمذی بحوالہ مرقاۃ المفاتیح ۱/۲۹۱) متذکرہ بالا حدیث میں "فی سبیل اللہ" سے مراد جہاد ہے۔

7) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال "من صام يوماً فی سبيل الله زحزحه الله عن النار سبعين خريفاً" حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کے راستہ میں ایک دن روزہ رکھا اللہ جل شانہ اسے جہنم سے ستر سال کی مسافت تک دور کر دیتا ہے (ترمذی ۱/۲۹۲)۔

8) امام ترمذیؒ نے ایک دوسری روایت حضرت ابو امامہؓ سے نقل کی ہے جس میں یہ ہے "عن النبی ﷺ قال: من صام يوماً فی سبيل الله جعل الله بينه وبين النار خندقاً كما بين السماء والارض، هذا حديث غريب من حديث ابی امامة" یعنی حق تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ایسی خندق بنا دیتے ہیں جس کا خلا آسمان و زمین کے درمیانی خلا کے برابر ہوتا ہے (ترمذی بحوالہ بالا) دونوں حدیثوں میں "فی سبیل اللہ" سے مراد جہاد ہے۔

9) خریم بن فاتکؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کے راستہ میں کچھ بھی خرچ کرے اس کے لئے سات سو گنا ثواب لکھا جاتا ہے (ترمذی ۱/۲۹۲)۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں "فی سبیل اللہ" کا مصداق جہاد ہے (لمعات شرح المشکوٰۃ)۔

10)عن ابی امامۃ قال ، قال رسول اللہ ﷺ افضل الصدقات ظل فسطاط فی سبیل اللہ ومنیحۃ خادم فی سبیل اللہ اوطروقۃ فحلٍ فی سبیل اللہ ،حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (۱) بہترین صدقہ ایسے خیمہ کا سایہ ہے جو اللہ کے راستہ میں دیا جائے (۲) اور بہترین صدقہ وہ خادم ہے جو اللہ کے راستہ میں دیا جائے (۳) اور بہترین صدقہ اللہ کے راستہ میں ایسی اونٹنی کا دینا ہے جو نر کی جفتی کے لائق ہو (یعنی سواری کے قابل ہو) (ترمذی ۱/۲۹۲)۔

پتہ یہ چلا کہ عرفِ شریعت میں ''فی سبیل اللہ'' کا حقیقی مصداق قتال اور جہاد ہے، حضرت امام رازیؒ نے آیت شریفہ ''احصروا فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس کا مصداق وہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو جہاد پر ثابت قدم رکھا، اور حق تعالیٰ کا قول ''فی سبیل اللہ'' قرآنی اصطلاح میں جہاد کے ساتھ خاص ہے (تفسیر رازیؒ ۷/۸۳) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' کا اولین مصداق جہاد ہے (فتح الباری ۶/۲۹)۔ ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں ''و أما سبیل اللہ فهو الجهاد بحق (المحلی ۶/۱۵۱) یعنی اللہ کے راستہ سے مراد جہاد ہوتا ہے۔

علامہ جلال الدین محلیؒ تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں ''وفی سبیل اللہ '' ای القائمین بالجهاد (تفسیر جلالین ۱۶۱)۔ دین کے دیگر شعبوں اور خیر کے دیگر امور کو بھی ''فی سبیل اللہ'' کے تحت داخل وشامل مانا ہے اور ''فی سبیل

اللہ'' کے مفہوم میں توسیع اور تعمیم سے کام لیا ہے۔

11) ملا علی قاریؒ نے ابوعبسؓ کی روایت ''قال رسول الله ﷺ ، ما اغبرت قدما عبد فی سبیل الله فتمسه النار '' (رواہ البخاری) کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ درحقیقت ''فی سبیل اللہ'' سے مراد ہر وہ راستہ ہے جس میں بندہ خدا کی خوشنودی کا طالب ہو لہذا (اس عموم کے پیش نظر) طلبِ علم کی راہ نماز باجماعت میں حاضری، مریض کی عیادت، مسلمان بھائی کے جنازہ میں شرکت غرضیکہ دین کے تمام شعبے اور امورِ خیر کو یہ لفظ شامل ہوگا، لیکن اگر یہ لفظ اپنے اطلاق پر رہے تو اس سے مراد سبیل جہاد ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ایسے وقت میں اس سے ''حج'' مراد ہوتا ہے جس کی دلیل یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کے راستہ میں وقف کیا تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اپنا یہ اونٹ کسی حج پر جانے والے کو دیدو (مرقاۃ المفاتیح ۷/۱۷۲) مگر یہ دوسرا قول ضعیف ہے اسی لئے ملا علی قاریؒ نے اس کو صیغۂ تمریض سے ذکر کیا ہے۔

شیخ العرب والعجم، محدث عصر حضرت شیخ مولانا محمد یونس صاحب قدس سرہ کی تحقیق

راقم الحروف کے استاذ محترم حضرت اقدس مولانا شیخ محمد یونس صاحب قدس سرہ (شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم) نے بخاری شریف جلد ثانی میں ''کتاب المغازی'' کے تحت ''فی سبیل اللہ'' کے عنوان پر بڑی ہی جامع اور دل نشین گفتگو کی تھی اور پوری گفتگو کا ماحصل یہ بتایا تھا کہ دراصل ''فی سبیل

اللہ“ کے دو معنی ہیں (۱) معنی حقیقی (۲) معنی مجازی۔ معنی حقیقی کے لحاظ سے اس کا اطلاق فقط جہاد اور قتال پر ہوتا ہے اور معنی مجازی کی رو سے یہ لفظ ایک وسیع تر مفہوم کا حامل ہے جو اپنے دامنِ بساط میں دین کے متعدد شعبوں کو سموئے ہوئے ہے، لیکن جہاد حقیقی اور اصطلاحی کی جو فضیلت ہے اور اس پر جو اجر و ثواب کے وعدے ہیں وہ دیگر شعبہ جات سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

حضرت الاستاذ مولانا محمد یونس صاحب جونپوری قدس سرہ مشکوٰۃ شریف کی روایت **من غزا بنفسه في سبيل الله(الحديث)** (مشکوٰۃ ص:۳۳۵) میں ”فی سبیل اللہ“ کے مصداق کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں: سبیل اللہ عرفِ خاص میں جہاد پر بولا جاتا ہے، لیکن عرفِ عام میں ہر خیر کے راستے پر بولا جاتا ہے، انفاق کا مسئلہ بھی روایت سے ماخوذ ہے اور باقی بظاہر استدلال کے طور پر اخذ کیا گیا ہے، اور سبیل اللہ کا مفہوم عام مان لینے کی صورت میں طلبِ علم دین یا دین کے لئے کسی بھی غرض سے نکلنا بھی اس میں داخل ہو جائے گا (نوادر الفقہ ص:۱۳۴/مرتبہ مفتی محمد زید مظاہری ندوی)۔

فی سبیل اللہ کو صرف تبلیغ پر منطبق کرنا کبارِ علماء و محدثین کے خلاف ہے

تبلیغی جماعت ہی کے تعلق سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں حضرت شیخ لکھتے ہیں: ”فی سبیل اللہ“ کے دو اطلاق ہیں، ایک خاص یعنی جہاد اور یہی معنی عند الاطلاق متبادر ہوتے ہیں، اس لئے کہ اہل عرف نے عام طور پر اسی میں استعمال کیا ہے، ثانی ہر وہ کام جو اللہ کے لئے ہو۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرحِ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: "وفی سبیل الله" کنایة عن السعی الی الجهاد ، هو المتعارف فی الشرع ، وقد یراد به السعی الی الحج والرزق الحلال، کذا فی حاشیة الترمذی (ر:۱۹۲،ج:۱) یہ دونوں استعمال حضرات محدثین وفقہاءعظام سبھی نے کیا ہے۔

امام بخاریؒ ، بخاری شریف کتاب الجمعہ (۱۲۴) میں ترجمہ منعقد فرماتے ہیں: باب المشی الی الجمعة اوراس میں یہ حدیث ذکر فرماتے ہیں: من اغبرّت قدماه فی سبیل الله حرمه الله علی النار "فی سبیل الله" ہی کے لفظ سے استدلال کیا ہے، کما صرح به العینی وغیره، اوراس سے زیادہ قوی یہ ہے کہ خود صحابی نے "فی سبیل اللہ" کے مفہوم کو جہاد سے اعم سمجھا ہے، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت سے واضح ہے، بخاری فرماتے ہیں: حدثنا علی بن عبدالله حدثنا الولید بن مسلم قال: حدثنا یزید بن أبی مریم قال: حدثنا عبایة بن رفاعة قال: أدرکنی ابو عبس وأنا اذهب الی الجمعة فقال: سمعت رسول الله ﷺ من اغبرّت قدماه فی سبیل الله حرمه الله علی النار۔

حضرت ابوعبس عبدالرحمٰن بن جبیر نے "فی سبیل اللہ" کو جہاد سے اعم مراد لیا ہے، اسی لئے تو مشی فی سبیل اللہ کی فضیلت کے مقام میں اس حدیث سے استدلال فرمایا، ترمذی شریف میں عبایہ بن رفاعہ تابعی کا اس معنیٰ اعم پر حمل

کرنا مذکور ہے، اور کوئی استبعاد نہیں کہ دونوں ہی نے اپنے اپنے وقت پر کیا ہو۔

ابن بطالؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: **والمراد من "فی سبیل الله" جمیع طاعاته،** حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں (۶/۲۳) **وهو کما قال ، الا ان المتبادر عند الاطلاق من لفظ فی سبیل الله الجهاد وقد اورده المصنف یعنی البخاری فی فضل المشی الی الجمعة استعمالا للفظ فی عمومه ، انتهیٰ** (النوادر الفقہ، ص:۱۳۵۔۱۳۶)۔

دین کو کسی ایک شعبہ میں محدود رکھنا جہالت ہے

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے اس پر بڑی ہی دلنشیں گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں "جس طرح دنیا کی حکومتوں کو اپنے ملکی انتظام کے لئے امور انتظامیہ کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے، کوئی شعبہ صنعت وتجارت کا ہے تو کوئی وزارت اور عدالت کا ہے، کوئی شعبہ مواصلات کا ہے تو کوئی معالجات کا، پھر ان میں سے ہر ایک شعبہ میں مختلف شعبے ہیں۔

اس طرح دین اسلام کی حفاظت اور بقاء کے لئے دینی کاموں کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا لازمی ہے، کوئی شعبہ تعلیم وتدریس کا ہے تو کوئی افتاء وتخریج مسائل اور تمرین افتاء کا، کوئی شعبہ اصلاح وتلقین کا ہے، تو کوئی عوام میں وعظ وتبلیغ کا، کوئی شعبہ اسلحہ سے جہاد کا ہے تو کوئی قلمی جہاد کا تصنیف وتالیف کے ذریعہ تبلیغ اور دین سے دفاع، پھر ان میں سے ہر ایک شعبہ میں بھی مختلف شعبے ہوتے ہیں۔

جس طرح دنیا کے مختلف شعبوں کو ختم کر کے صرف ایک شعبہ باقی رکھنے کا مشورہ دینا مثلاً صرف ''صنعت وتجارت'' کا شعبہ رکھا جائے اور دوسرے تمام شعبوں کو ختم کر کے ان میں کام کرنے والے لوگوں کو بھی سب کو اس شعبہ میں لگایا جائے خلافِ عقل اور جہالت ہے اسی طرح دین اسلام کے مختلف شعبوں کو ختم کر کے صرف ایک شعبہ باقی رکھنے کا مشورہ دینا مثلاً صرف عوام میں ''وعظ وتبلیغ'' کا شعبہ رکھا جائے اور دوسرے تمام شعبوں کو ختم کر کے ان میں کام کرنے والے سب لوگوں کو بھی عوام میں ''وعظ وتبلیغ'' کے کام میں لگا دیا جائے، یہ سراسر جہالت اور دین سے ناواقفیت کے علاوہ خلاف عقل بھی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب تبلیغ ہی کے شعبے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ یہ عوام میں تبلیغ کا شعبہ ہے اور دوسرے شعبے خواص میں تبلیغ کے ہیں، یہ خواص میں تبلیغ کے شعبے تدریس، تصنیف، افتاء اور اصلاحِ باطن چند وجوہ کی بنا پر ہر عوامی تبلیغ سے بہت زیادہ اہم ہیں، اس کی وجوہ یہ ہیں:

(۱) ان ذرائع تبلیغ سے دین کی بنیادی خدمات انجام دی جاتی ہیں، مثلاً قرآن وحدیث کے صحیح مفہوم کی تعیین وتشریح، اللہ ورسول اللہ ﷺ کے ارشاد فرمودہ قوانین واحکام کی توضیح وتحدید، دشمنانِ اسلام کی طرف سے اسلام کے خلاف اٹھنے والے نظریاتی فتنوں سے اسلام کے حصار کی حفاظت واستحکام۔

(۲) ان میں ان لوگوں کو تبلیغ کی جاتی ہے جو دور دور سے طلب لے کر

آتے ہیں، میں انشاء اللہ تعالیٰ اس بیان میں تفصیل سے بتاؤں گا کہ طالبین کو دوسروں پر مقدم رکھنا ضروری ہے، انہیں چھوڑ کر دوسروں کی طرف توجہ کرنا اور ان پر محنت کرنا جائز نہیں۔

(۳) ان طالبین میں دین کی بنیادی خدمات انجام دینے کی صلاحیت واستعداد ہوتی ہے، ان بنیادی خدمات کی تفصیل واہمیت پہلی وجہ کے بیان میں بتا چکا ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن علماء کو اسلام کی ایسی اہم اور ضروری وبنیادی تبلیغ کی خدمات انجام دینے کی صلاحیت عطا فرمائی ہو ان کے لئے عوامی تبلیغ میں نکلنا ہرگز جائز نہیں، اسی طرح ان طلبہ کے لئے بھی جائز نہیں جن میں ایسی استعداد پیدا ہونے کی توقع ہو، البتہ جن سے ایسی توقع نہ ہو انہیں عوامی تبلیغ میں نکلنا ضروری ہے، مدارس میں بیکار پڑے رہنا اور وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔

یہ ذمہ داری مدارس کے مہتمم حضرات پر عائد ہوتی ہے، ان پر فرض ہے کہ ایسے بیکار طلبہ کو مدارس میں بھرتی کرنے کی بجائے انہیں عوامی تبلیغ میں بھیجیں۔

دین کا کام کرنے والوں کو درپیش خطرات

دین کے ان مختلف شعبوں میں اخلاص کے ساتھ دین کی حفاظت اور بقاء کے لئے محنت اور کوشش کرتے رہنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، لیکن دین

کے کام کرنے والوں کو خصوصاً نفس وشیطان کی طرف سے ایسے خطرات اور حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اگر ان خطروں اور حملوں سے حفاظت کا اہتمام نہ کیا جائے تو ان کاموں سے اخلاص نکل جاتا ہے، پھر یہ دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوتیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا سامان بننے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم کا سامان بننے لگتی ہیں۔

اتنی بات تو ظاہر ہے کہ اگر کسی عبادت اور دینی خدمت میں اخلاص نہ ہو تو اس پر کتنا وبال پڑتا ہے لیکن کوئی عبادت اور دینی خدمت کرتے وقت یہ معلوم کرنا کہ دل میں اخلاص ہے یا نہیں؟ بہت مشکل ہے، بظاہر تو اخلاص ہی نظر آئے گا اور ہر شخص اخلاص ہی کا دعویٰ بھی کرے گا، لیکن جب تک اخلاص کی تمام ظاہری و باطنی علامات اور معیار نہ پائے جائیں اخلاص کا فیصلہ کر لینا صحیح نہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک کسی اہل دل کے ساتھ باضابطہ اصلاحی تعلق قائم نہیں کیا جاتا اس وقت تک اپنے قلب میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنا تو درکنار اخلاص کے فقدان کا احساس تک بھی نہیں ہوتا، اس لئے اس دولت کو حاصل کرنے کی فکر اور اس کی طرف توجہ اور رغبت ہی نہیں ہوتی اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''الرحمن فسأل به خبیرا'' (۲۵تا۵۹) رحمٰن کا راستہ کسی باخبر سے پوچھو، اس لئے کسی مصلح کامل اور معالج باطن کے ساتھ باضابطہ اصلاحی تعلق قائم کریں (احسن الفتاوی)۔

دین کے کسی بھی شعبہ سے وابستگی خوش نصیبی اور سعادت مندی ہے، بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ افراد جو دین کے کسی بھی شعبہ اور راستے سے منسلک ہو کر امت مسلمہ کے لئے اپنی بساط بھر خدمات انجام دے رہے ہیں، تاہم ان میں باہمی اتحاد اور تعاون کی اشد ضرورت ہے، آئندہ سطور میں ہم درس گاہِ حضرت تھانویؒ کے فیض یافتہ شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کے کچھ ملفوظات پیش کرتے ہیں، جن میں انہوں نے یہ بات بڑی ہی حکمت سے گوش گذار کی ہے۔

دین ایک جسم اور مختلف شعبے اس کے اعضاء ہیں

(۱) ارشاد فرمایا: ہر انسان کے جملہ عضو کو الگ الگ خدمت انجام دے رہے ہیں مگر کوئی انسان اپنے کسی عضو کو حقیر نہیں سمجھتا اور نہ ان کی خدمات کے اندر تفاضل اور تقابل کرتا ہے اور نہ انہیں ایک دوسرے کا حریف اور فریق بناتا ہے، اسی طرح دین ایک جسم ہے، اس کے اجزاء الگ الگ ہیں، کوئی تعلیم کے لئے مدرسہ میں لگ گیا، کوئی تبلیغ کے لئے جماعت میں لگ گیا، کوئی تزکیہ کے لئے خانقاہ میں لگ گیا، پس دین کے ہر جزو کے خادموں کو آپس میں ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے کا حق کیسے ہوگا اور آپس میں تفاضل وتقابل اور فریق وحریف بنانا کیسے صحیح ہوگا؟۔ اسی لئے مخلصین اولیاء کرام نے دین کے ہر خادم کا اکرام کیا ہے ''وتعاونوا علی البرّ '' کا حکم دیا گیا ہے، پس جس قدر ممکن ہو ہر ایک دوسرے کی نصرت کرے، ہماری تقریر ہو، ہمارا مدرسہ چلے، ہماری

جماعت آگے بڑھے، دین کو آگے رکھئے، اپنے کو آگے نہ کیجئے، اگر کسی اور کی تقریر سے نفع زیادہ ہو یا کسی اور کے مدرسے سے بھی دین کا کام ہو تو حسد اور جلن کیوں ہو؟ (مجالس ابرار ۲/۱۴۸)۔

مدرسہ کا احسان اور وجود تسلیم کرنا ہوگا

(۲) فرمایا: تبلیغی جماعت کی بنیاد جب ایک عالم ربّانی کے ہاتھ سے ہوئی تو مدرسہ کا احسان اور اس کے وجود کو ضرور تسلیم کرنا ہوگا، اسی طرح انہوں نے ایک بزرگ سے تزکیہ کرایا تو خانقاہ کا احسان اور وجود بھی ضرور تسلیم کرنا ہوگا، اگر کسی غیر عالم سے اس جماعت کی بنیاد پڑی ہوتی تو اب تک کتنی گمراہی پھیلی ہوتی، پس دین کے تین شعبے ہیں تعلیم، تزکیہ اور تبلیغ، ہر ایک شعبے والوں کو ایک دوسرے کا معاون اور رفیق سمجھنا چاہیئے، جیسے ڈاکخانہ کے محکمے میں کوئی مہر لگا رہا ہے، کوئی رجسٹری اور خطوط تقسیم کر رہا ہے، کوئی پارسل کر رہا ہے وغیرہ (مجالس ابرار ۲/۱۱)۔

تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ تینوں ضروری ہیں

(۳) فرمایا: تفاضل ایک نوع میں ہوتا ہے نہ کہ دو نوع میں، کوئی اگر سوال کرے کہ آنکھ بہتر ہے یا کان بہتر ہے یا زبان بہتر ہے تو کیا جواب دیا جائے گا؟ ہر ایک ان میں ضروری ہے، ان میں تفاضل کا سوال ہی غلط ہے کیونکہ یہ الگ الگ نوع ہیں، البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں آنکھوں میں جو زیادہ دیکھتی

ہے وہ افضل ہے اور دونوں کانوں میں سے جو زیادہ سنتا ہے وہ افضل ہے، اس مثال سے یہ مسئلہ واضح ہوجاتا ہے کہ تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ میں کس کی ضرورت زیادہ ہے؟ یہ سوال مناسب نہیں کیونکہ یہ انواعِ مختلفہ ہیں، انواعِ مختلفہ میں تفاضل نہیں ہوتا، لہٰذا ہر ایک کی ضرورت ہے، تعلیم بھی ضروری اور تزکیہ بھی ضروری ہے، البتہ تزکیۂ نفس کی اہمیت تعلیم اور تبلیغ سے زیادہ ہے یعنی تعلیم اور تبلیغ کی ضرورت کے ساتھ تزکیۂ نفس کا اہتمام بہت زیادہ ضروری ہے، اس لئے کہ تعلیم اور تبلیغ بغیر تزکیہ کے مقبول نہیں، جس کا مرکز سچے اللہ والوں کی خانقاہیں ہیں، تزکیۂ نفس ہی سے اخلاص دل میں پیدا ہوتا ہے اور اخلاص کے بغیر تمام اعمال اور عبادات رائیگاں ہوجاتی ہیں، جیسا کہ حدیثِ ریا (عالم، سخی، شہید کا جہنم میں ڈالا جانا) میں اس کی تصریح موجود ہے (ایضاً ۲/۱۵۹)۔

صرف اپنے شعبہ کو مفید سمجھنا جہالت ہے

(۴) فرمایا: کسی چیز کا نافع ہونا اس کے کافی ہونے کی دلیل نہیں، پس کسی جماعت کا اپنے طریقۂ خدمتِ دینی کے متعلق یہ کہنا کہ بس یہی طریقہ نافع ہے حد سے تجاوز اور جہل و نادانی ہے، اکابر اور مقبولین اور بزرگانِ دین سے کہیں بھی اس قسم کی باتیں ثابت نہیں، یہ باتیں کم علم اور غیر صحبت یافتہ نادان لوگ کرتے ہیں، جس طرح تزکیۂ نفس کے لئے اہلِ خانقاہ کی خدمات نافع تو ہیں لیکن کافی نہیں کہہ سکتے، قرآن پاک کی تعلیم قواعد کی رعایت سے ہو اس کے لئے

قرآن پاک کے مدارس کی بھی ضرورت ہے، پس کوئی شعبہ "**یتلو علیھم**" کا مظہر ہے، کوئی شعبہ "**یزکیھم**" کا مظہر ہے، علم دین کی درسگاہیں بھی ضروری ہیں کیونکہ "**بلغ ما انزل الیک**" کا حکم قرآن نے بیان فرمایا ہے اور جب "**ما انزل**" کا علم ہی نہ ہوگا تو کس چیز کی تبلیغ ہوگی؟ مثلاً وضو کی سنتیں ہیں، پہلے خود سیکھے گا تب تو دوسروں کو سکھائے گا (ایضاً ۲/۷)۔

دوسرے کو فریق نہیں بلکہ رفیق سمجھے

(۵) فرمایا: صرف نظام سنت مقصود ہوتا ہے، غیر نظام سنت کو درجۂ مقصودیت دینا بدعت ہے، غیر نظام سنت کو صرف معین نظام سنت کا بنایا جا سکتا ہے نہ کہ اس کو مقصودیت کا درجہ دے دے، پس اگر کوئی شخص دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہے اور نظام سنت کے لئے اس کو معین اور نافع پاتا ہے تو اس کو فریق نہ بنائے بلکہ رفیق سمجھے، پس تعلیم، تبلیغ، تزکیہ سب مقصود اور ضروری ہیں، مگر کسی نظام کو اتنی اہمیت نہ دے کہ جو معین تھا وہ مقصود بن جائے (ایضاً ۲/۱۴۸)۔

مدارس سے اعمال کا وجود ملتا ہے

(۶) فرمایا: مدارس سے اور تبلیغ سے اعمال کا وجود ملتا ہے اور خانقاہوں سے یعنی سچے اہل اللہ کی صحبت سے اعمال کا قبول ملتا ہے، کیونکہ بزرگوں کی صحبت سے تزکیۂ نفس اور اخلاص ملتا ہے اور اخلاص شرطِ قبولِ اعمال ہے اور ریا سے محافظ ہے اور ریا کی نحوست ولعنت سے ایک شہید کی شہادت اور مالدار کی سخاوت اور

قاری صاحب کی قراءت قبول نہ ہوئی اور ان کے لئے جہنم کا فیصلہ ہو جائے گا، اس حدیثِ ریا کو جب حضرت ابو ہریرہؓ سناتے تھے تو غلبۂ خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے (آئینۂ ارشادات ص۸)۔

ایک شعبہ کا خادم دوسرے شعبہ والے کا احترام کرے

(۷) فرمایا: دین کے جس شعبہ میں جو لگا ہو ہر ایک دوسرے کا اکرام کرے، تفاضل سے احتیاط کرے، ورنہ تفاضل سے آدمی فریق بن جاتا ہے، رفیق نہیں رہتا، ہر نیک کام میں تعاون کا حکم ہے اور ہر نوع کی خدمتِ دینی نیکی ہے، پس ہر خادم دینی کو دوسری نوع کے دینی خادم کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے، لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ ایک نوع کے دینی خدام آپس میں حقیقی بھائیوں کی طرح ملتے ہیں اور دوسری نوع کے خدام کے ساتھ سوتیلے بھائیوں کا سا معاملہ کرتے ہیں، یہ افسوس کی بات ہے اور تعصب کی بات ہے جو اخلاص کے منافی ہے (آئینۂ ارشادات ص۱۰)۔

صرف ہم سے دین پھیلتا ہے یہ نفس کا فریب ہے

فرمایا: دین کی خدمت کو صرف نوعی نہ بنایا جائے، دین کی جس نوع میں جو لگے دوسری نوع کی توہین نہ کرے، جنس پر نظر رکھے، مثلاً اہل مدارس کے سامنے صرف اپنا ہی مدرسہ نہ ہو کہ بس ہمارے ہی مدرسہ سے دین پھیلے، یہی مدرسہ ترقی کرے بلکہ تمام دینی مدارس کی ترقی کے لئے دل سے دعا گو اور

مخلصانہ طور پر بہی خواہ رہے، اگر شخصی طور پر دین کی خدمت کر رہا ہے تو یہی مقصد نہ ہو کہ صرف ہم سے ہی دین پھیلے اور دوسروں کے ذریعہ اگر پھیلے تو کیا اشکال اور کیا فکر ہے؟۔

یہ تو نفس کا کید اور مکر ہے اور حبِ جاہ کی بیماری ہے کہ صرف ہم سے دین پھیلے، اخلاص کا معیار یہ ہے کہ جس سے بھی دین پھیلے خوش ہو اور اس کا تعاون کرے ''تعاونوا علی البرّ'' کا جب حکم ہے تو جہاں بھی برّ (نیکی) ہو وہاں تعاون کرے اور اپنی رفاقت پیش کرے اور ہر خادم دین کو اپنا رفیق سمجھے فریق نہ سمجھے، اپنے کو مقدم نہ کرے دین کو مقدم کرے، جس سے بھی دین کا کام احسن طریق پر ہو اس کی اعانت کرے (مجالس ابرار ۲/۱۵۹)۔

افراط وتفریط سے احتراز اور اصلاح کی ضرورت

تبلیغی جماعت ہمارے اس دور میں دنیا کی سب سے زیادہ منظّم، ہمہ گیر اور دینی دعوت کے تعلق سے سب سے متحرک جماعت ہے، اس جماعت اور تحریک کی تگ وتاز اور جد وجہد سے دنیا کا کوئی خطہ خالی نہیں ہے، دعوت وتبلیغ کے اس مبارک عمل اور نقل وحرکت کے پیچھے دراصل اس کے بانیین کا اخلاص اور للّٰہیت کارفرما ہے، اس کام کا بنیادی ہدف یہ ہے کہ عام مسلمان کو مسجد سے جوڑا جائے اور لوگوں کو بے دینی کے ماحول سے نکال کر دین سے مربوط کر دیا جائے۔

راقم السطور گذشتہ سطور میں یہ واضح کرتا چلا آیا ہے کہ دعوت وتبلیغ بھی دین کا ایک اہم شعبہ اور راستہ ہے اور اس لائن سے کی جانے والی ہر مخلصانہ کوشش قابلِ صد آفریں ہے، تبلیغی جماعت عالمی تحریک ہے، سچ تو یہ ہے کہ جو تحریک جتنی وسیع اور عالم گیر ہوتی ہے اس کے متعلق لوگوں کی آراء اور خیالات بھی مختلف الجہات ہو جاتے ہیں، کوئی تو اس کی مخالفت پر ایسی کمر کستا ہے کہ اسے درجۂ سافل میں پہنچا دیتا ہے، اور کوئی حمایت میں اتنا آگے بڑھتا ہے کہ وہ واقعی باتوں سے بھی صرفِ نظر کر لیتا ہے، تبلیغی جماعت کی اس عظیم تحریک کو بھی یہی صورتحال درپیش ہے، ایک طبقہ مخالفت میں غلو کا روادار ہے تو دوسرا حمایت میں جب کہ یہ دونوں ہی طبقے راہِ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے اور یہی امتِ مسلمہ سے خیر خواہی کا تقاضہ بھی ہے کہ افراط وتفریط کو چھوڑ کر، میانہ روی کے ساتھ، حکمت عملی کو پیش نظر رکھ کر اس ہمہ گیر تحریک کو صحیح سمت میں رواں دواں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور اصلاح طلب امور کی اصلاح کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا جائے۔

راقم آئندہ سطور میں عالم اسلام کی عظیم شخصیت، معتدل الفکر اور محقق عالم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے ''درسِ ترمذی'' سے کچھ اہم اقتباسات تحریر کرتا ہے، جس میں آپ نے دعوت وتبلیغ کی عظیم عالمی خدمات کا تہہ دل سے اعتراف کیا ہے، اور جماعت کے بعض حلقوں میں موجود اصلاح

طلب امور کی طرف بڑی ہی حکمت اور خوب صورتی سے توجہ مبذول کرائی ہے، حق تعالیٰ ہمیں سلامت روی اور اعتدال کی توفیق ارزانی فرمائے اور افراط وتفریط سے محفوظ رکھے، آمین۔

فرمایا: تبلیغی جماعت تنہا ایک ایسی جماعت ہے جس کے کام سے الحمدللہ دل ہمیشہ خوش ہوتا ہے اور اس جماعت نے ایسی بڑی عظیم خدمت انجام دی ہے جو کسی اور جماعت نے انجام نہیں دی، اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے ذریعہ دین کا کلمہ کہاں سے کہاں پہنچایا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین) ان کے اخلاص اور ان کے سچے جذبے نے اس جماعت کو اب تک باقی رکھا ہوا ہے اور اس جماعت کے پیغام اور دعوت کو اللہ تعالیٰ نے چاردانگِ عالم میں پھیلادیا ہے۔

تعاون اور تنبیہ دونوں ضروری ہیں

لیکن ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی بھی جماعت کا پھیل جانا اور اس کے پیغام کا دور دور تک پہونچ جانا اگر صحیح طریقے سے ہو تو یہ قابلِ خیر مقدم ہے اور اس صورت میں اس جماعت کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے، لیکن اگر اس جماعت میں خرابیاں ہو رہی ہیں یا اس کے اندر غلط فکر پیدا ہو رہی ہے تو پھر تعاون کے ساتھ ساتھ اس کی غلطی پر اس کو متنبہ کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ایسا نہ ہو کہ یہ بہترین جماعت جس سے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا کام لیا کہیں غلط راستے پر نہ

پڑ جائے، بالخصوص ایسے وقت میں متنبہ کرنا اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے جبکہ اس کی قیادت پختہ اہل علم کے ہاتھ میں نہیں ہے، بلکہ اس جماعت میں زیادہ عنصر عوام کا ہے جو پورا علم نہیں رکھتے، اور اس جماعت کے اندر جو علماء شامل ہیں ان (میں سے اکثر) علماء کا مشغلہ علم نہیں ہے، اسلئے کہ علماء کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں، بعض علماء وہ ہوتے ہیں جن کا مشغلہ درس وتدریس اور فتویٰ نویسی ہوتا ہے، اس قسم کے علماء کو علم سے مناسبت رہتی ہے، اور دوسرے علماء وہ ہیں جن کا مشغلہ درس وتدریس اور فتویٰ وغیرہ نہیں رہتا، ان حضراتِ علماء کے پاس الحمدللہ علم تو ہے لیکن اس علم کو صَیقل نہیں کیا گیا، اس لئے ایسے علماء کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

آگے حضرت مفتی صاحب زید مجدہم نے اپنے والد محترم مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہوا حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، واقعہ قدرے طویل ہے راقم اسے اختصاراً پیش کرتا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ آپ بیمار ہو گئے، میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ آپؒ کی عیادت کے لئے ''نظام الدین'' (دہلی) تشریف لے گئے، حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ میں حضرت کے پاس جا کر بیٹھا اور آپ کی مزاج پرسی کی تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بے ساختہ رو پڑے (اور رونے کی وجہ یہ بیان فرمائی) کہ مجھے اس وقت دو فکریں

اور دو اندیشے لاحق ہیں، حضرت والد صاحبؒ نے پوچھا کہ کون سی فکریں لاحق ہیں؟ فرمایا: کہ پہلی بات یہ ہے کہ جماعت کا کام اب روز بروز پھیل رہا ہے، الحمدللہ اس کے نتائج اچھے نظر آرہے ہیں اور لوگ جوق در جوق جماعت کے اندر آرہے ہیں، اب مجھے ڈر یہ لگتا ہے کہ جماعت کی یہ کامیابی کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِستدراج ہو؟ (استدراج اسے کہتے ہیں کہ کسی باطل آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دے دی جاتی ہے اور اس کو ظاہری کامیابیاں حاصل ہو جاتی ہے اور حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام نہیں ہوتا) حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً عرض کیا کہ حضرت! آپ کو میں اطمینان دلاتا ہوں کہ یہ استدراج نہیں ہے، حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی کے ساتھ استدراج کا معاملہ ہوتا ہے تو اس شخص کے دل و دماغ پر یہ واہمہ بھی نہیں گذرتا کہ یہ استدراج ہے، اگر یہ استدراج ہوتا تو آپ کے دل میں اس کا خیال بھی پیدا نہ ہوتا، اس لئے میں آپ کو اس بات کا اطمینان دلاتا ہوں کہ یہ استدراج نہیں ہے بلکہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نصرت ہے، حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرا یہ جواب سن کر حضرت مولانا کے چہرے پر بشاشت آگئی کہ الحمدللہ! تمہاری اس بات سے مجھے بڑا اطمینان ہوا۔

جماعت کو اہلِ علم کی ضرورت

پھر حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ مجھے دوسری فکر یہ لاحق ہے کہ اس جماعت میں عوام بہت کثرت سے آرہے ہیں اور اہل علم کی تعداد کم ہے، مجھے اندیشہ یہ ہے کہ جب عوام کے ہاتھ میں قیادت آتی ہے تو بعض اوقات آگے چل کر وہ اس کام کو غلط راستے پر ڈال دیتے ہیں، اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جماعت کسی غلط راستے پر پڑ جائے اور اس کا وبال میرے سر پر آجائے، اس لئے میرا دل چاہتا ہے کہ اہل علم کثرت سے اس جماعت میں داخل ہوں اور وہ اس جماعت کی قیادت سنبھالیں۔ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ کی یہ فکر بالکل صحیح ہے، لیکن آپ نے تو نیک نیتی سے اور صحیح طریقے پر کام شروع کیا ہے، اگر آگے چل کر اس کو کوئی خراب کردے تو ان شاء اللہ آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

بہر حال یہ بات صحیح ہے کہ اہلِ علم کو چاہئے کہ وہ آگے آئیں اور اس کی قیادت سنبھالیں، اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے اخلاص کا کیا عالَم تھا اور ان کے جذبات کیا تھے؟۔

مدرسین اور طلباء کے تعلق سے مولاناؒ کا نقطۂ نظر

حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی لکھتے ہیں ”درس وتدریس سے تعلق رکھنے والے بعض بزرگوں کو شبہ تھا کہ تبلیغ واصلاح

کی اس کوشش میں مدرسین اور طلبائے مدارس کا اشتغال، ان کے علمی مشاغل اور علمی ترقی میں حارج ہوگا، لیکن حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ جس طرح اور جس منہاج پر علماء مدارس اور طلباء سے یہ کام لینا چاہتے تھے وہ درحقیقت علماء اور طلبہ کے علوم کی ترقی اور پختگی کا ایک مستقل انتظام تھا، ایک گرامی نامہ میں لکھتے ہیں:

"علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر اور علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دین پاک فروغ اور ترقی پاسکتا ہے، میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے یہ میرے لئے خسرانِ عظیم ہے، میرا تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرا بھی روکنا یا نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ ترقیات کی ضرورت ہے، اور موجودہ مسلمان جہاں تک ترقی کر رہے ہیں یہ بہت ناکافی ہے۔ حضرت کا نقطۂ نظر علماء وطلباء کے تعلق سے بڑا ہی مثبت اور واضح تھا، وہ اہل علم کو اپنی تحریک سے وابستہ کر کے ان کی علمی وعملی ترقی کے خواہاں تھے، طلبۂ عزیز کو دعوت وجماعت سے جڑنا مفید ہے مگر اس کا بھرپور خیال رہے کہ اس سے ہماری تعلیم متاثر نہ ہونے پائے۔

زمانۂ طالب علمی میں محنت کا طریقۂ کار

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ چاہتے تھے کہ اس تبلیغی کام ہی کے ضمن میں طلبہ اپنے اساتذہ ہی کی نگرانی میں اپنے علوم کے حق ادا کرنے

کے لئے نافع ہوں، ایک گرامی نامہ میں لکھتے ہیں ''کاش کہ تعلیم ہی کے زمانہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اساتذہ کی نگرانی میں مشق ہو جایا کرے تو علوم ہمارے لئے نفع مند ہوں، ورنہ افسوس! کہ بے کار ہو رہے ہیں، ظلمت اور جہل کا کام دے رہے ہیں، انا للہ و انا الیہ راجعون، بہرحال اپنی اس دعوت کو اعلیٰ علمی و دینی حلقوں میں پہنچانے کیلئے آپ نے جماعتوں کا رُخ دینی مرکزوں کی طرف کیا (مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، ص ۱۰۹)۔

علم میں ترقی کا طریقہ

علم کی طرف ترقی کیلئے مولانا کے نزدیک دوسری شرط یہ تھی: ''یاد رکھو! کوئی عالم علم میں ترقی نہیں کر سکتا جب تک وہ جو کچھ سیکھ چکا ہے دوسروں تک نہ پہنچائے جو اس سے کم علم رکھتے ہیں، اور خصوصاً ان تک جو کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں'' میرا یہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ماخوذ ہے ''من لا یرحم لا یُرحم'' ''بر دیگراں باش کہ حق بر تو باشد، کفر کی حد تک پہنچے ہوؤں تک علم پہنچانا اصل علم کی تکمیل ہے اور ہمارا فریضہ ہے اور جاہل مسلمانوں تک علم پہنچانا مرض کا علاج ہے'' (مولانا الیاسؒ اور انکی دینی دعوت، ص ۲۷۲)۔

جملہ اہل علم کی ذمہ داری

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا: ''عموماً اہل علم کی ساری جماعتوں سے یہ بھی عرض ہے کہ ان متعین اوقات کے علاوہ دوسرے عام اوقات میں اپنی اپنی

جگہ خاص و عام میں تبلیغ سے غافل نہ رہیں" (تجدید تعلیم و تبلیغ ص ۱۹۳)۔ (بشکریہ ماہنامہ "مظاہر علوم سہارنپور")۔

طلبہ کیلئے تبلیغی جماعت میں شرکت

عالَم اسلام کی مشہور شخصیت، معتدل الفکر عالم دین شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی زید مجدہم فرماتے ہیں: "الحمد للہ! ہم تو اپنے طلبہ کو یہ ترغیب دیتے رہتے ہیں کہ وہ تبلیغی جماعت میں جائیں، کیونکہ جماعت میں جانا خود اپنی اصلاح کے لئے مفید ہے، اس لئے کہ نیک لوگوں کی صحبت میسر آتی ہے، اس کی وجہ سے اپنی کوتاہیاں دور کرنے کا موقع ملتا ہے، اصلاحِ نفس کا موقع حاصل ہوتا ہے، بلکہ دیکھا یہ ہے کہ یہاں مدرسہ میں آٹھ سال پڑھنے سے بھی فضائل کی اتنی اہمیت دل میں پیدا نہیں ہوتی جتنی ایک چلہ لگانے سے وہ اہمیت پیدا ہو جاتی ہے اور اعمال کی طرف توجہ ہو جاتی ہے، یہ بہت بڑی نعمت ہے، اس لئے ہم طلبہ کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اس جماعت میں وقت لگائیں، لیکن وقت لگانے والے طلبہ ساتھ ساتھ یہ بھی مدنظر رکھیں کہ اس جماعت میں کچھ بے اعتدالیاں بھی پائی جاتی ہیں، ان بے اعتدالیوں سے خود متاثر ہونے کے بجائے ان کو دور کرنے کی فکر کرنی چاہئے، یہ نہ ہو کہ وہاں جا کر خود بھی بہہ گئے"۔

چند بے اعتدالیاں

بحیثیتِ مجموعی الحمد للہ! جماعت پر خیر کا غلبہ ہے اور امتِ مسلمہ کے لئے

اس کام سے جس قدر فوائد کی ترسیل اور زندگیوں میں انقلاب آرہا ہے اس کا انکار چمکتے سورج کے انکار کے مترادف ہے، مگر بایں ہمہ جو بے اعتدالیاں اس عظیم ترین جماعت میں موجود ہیں ان کی اصلاح اور سُدھار بھی ضروری ہے، حضرت مفتی تقی صاحب عثمانی زید مجدہم فرماتے ہیں: ایک اہم بے اعتدالی یہ ہے کہ فتوے کے معاملہ میں تبلیغی جماعت کے حضرات اور ان سے منسلک عوام اہل افتاء کی طرف رجوع کرتے تھے لیکن اب وہاں فتویٰ دینے کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے اور مسائل میں عام فقہاء امت سے اختلاف کا اک رجحان پیدا ہونے لگا ہے، اور بعض حضرات تفریق کی باتیں کرنے لگے ہیں مثلاً یہ بات چل پڑی ہے کہ اب تبلیغ کرنے والے کو اس مفتی سے فتویٰ پوچھنا چاہئے جو تبلیغ سے لگا ہوا ہو، دوسرے علماء سے پوچھنا ٹھیک نہیں ہے"۔

(۲) "اور بعض اوقات امرائے جماعت ایسے فیصلے کرلیتے ہیں جو شریعت کے مطابق نہیں ہوتے، مثلاً یہ بات کہ تبلیغ ودعوت فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے؟ اس بارے میں باقاعدہ ایک موقف اختیار کرلیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ تبلیغ ودعوت نہ صرف یہ کہ فرضِ عین ہے بلکہ اس خاص طریقہ سے کرنا فرض عین ہے، جو شخص اس خاص طریقے سے نہ کرے وہ فرضِ عین کا تارک ہے، یہ بھی بہت بے اعتدالی کی بات ہے۔

(۳) فرمایا "تبلیغی جماعت کی بے اعتدالیوں میں سے ایک بے

اعتدالی یہ بھی ہے کہ ایک ایک فرد کو الگ جا کر دعوت دینا فرض سمجھا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے جا کر دعوت نہیں دی تو قیامت کے دن کفار تمہارے گریبان پکڑ لیں گے، حالانکہ ایک ایک فرد کو الگ الگ جا کر دعوت دینا فرض نہیں، لہذا یہ کہنا کہ اگر ہم نے یہ کام نہ کیا تو کافر قیامت کے دن ہمارا گریبان پکڑ لیں گے کہ تم نے ہمیں دعوت کیوں نہیں دی تھی یہ بالکل غلط ہے، ہوسکتا ہے کہ تقریر کے جوش میں کسی نے یہ بات کہہ دی ہو، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

دینی تحریک وادارے والے ایک دوسرے کے ممنون رہیں

جماعت وتبلیغ کے اہم رکن مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہماری تحریک (دعوت وتبلیغ) کی ہم عصر دینی تحریکیں یا ادارے منصوص چیزوں کو مقصد بنائے ہوئے ہیں اور اپنی مخلصانہ صوابدید کے مطابق کسی طرز پر کام کر رہے ہیں تو ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہ ہونا چاہئے، بلکہ ہمیں ان کے کام کا اعتراف کرنا چاہئے ان کی کامیابی کی دعائیں دینا چاہئے اور ان سے تعلقات بڑھانا چاہئے، اس لئے کہ وہ دین کے بعض اہم شعبوں کو سنبھالے ہوئے ہیں اور اس طرح انہوں نے ہم کو یہ موقع دیا ہے کہ ہم دوسرے کاموں سے مطمئن ویکسو ہو کر اپنا کام کریں، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ مدارس کے لئے دعائیں کرتے تھے اور اپنے خاص محبین کو ان کی اعانت کرنے کی طرف توجہ دلاتے تھے، بہت سے مدارس کی آمدنیاں اس تبلیغی تحریک کی وجہ سے

بڑھ گئی تھیں مولانا اپنے اہل تعلق کو اس کی طرف بھی متوجہ کرتے تھے کہ علماء کی ملاقات کے لئے جایا جائے، ان سے تعلقات بڑھائے جائیں اور ان کے حقوق (اکرام ومحبت وتعاون) ادا کئے جائیں۔

ایک بات یہ بھی یادرکھنی چاہیئے! کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے، اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی تحریک یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کرسکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کرسکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کرسکتی ہے، کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے، کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی ذریعہ سے متاثر کیا جاسکتا ہے، اس طرح ایک واحد طریقۂ کار سے ہر جگہ ہر ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے، اس حقیقت کو نہ سمجھنے اور اس کے مطابق چلنے میں لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگ قابل قدر اور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص ان ہی کے مخصوص طرز پر کام نہ کرنے لگے، حالانکہ عمومی اور انقلابی تحریکوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا، وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک چوکھٹے پر بٹھائی جاتی ہے، ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہے، اور اس میں وہ دوسروں سے ممتاز ہے، اور جس کو وہ دوسروں کے مقابلہ میں بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہے، ہم کو تو دوسری دینی کوششوں اور ان کے ذمہ داروں کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ انہوں نے بہت سے لوگوں کو سنبھال رکھا ہے جو ہماری گرفت

میں نہیں آسکتے تھے، یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیۓ کہ کچھ لوگ اس راستے سے دین تک آجائیں اور کچھ اس راستے سے آجائیں (دینی کام کرنے والوں میں باہمی ربط کیسا ہو؟ ص ۲۲)۔

معاشرے کی ایک خرابی

فرمایا: ہمارے یہاں ایک مصیبت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کوئی کام شروع کرتا ہے تو جب تک وہ اس کام کو فرض عین قرار نہ دیدے اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا اور جب تک وہ یہ نہ کہہ دے کہ جو آدمی یہ کام نہیں کر رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں، اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا، اپنے اس کام کو فرض عین قرار دینا اور دوسرے کاموں پر تنقید کرنا یہ اس کام کی اہمیت اور تاکید جتلانے کے لئے لازمی سمجھا جانے لگا ہے، مثلاً جو شخص دعوت وتبلیغ میں لگ گیا تو اس نے اس کو فرض عین قرار دیدیا، حالانکہ یہ سب دین کے مختلف راستے اور طریقے ہیں ان میں سے ہر ایک پر عمل کرنا چاہیۓ لیکن اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہوئے عمل کرنا چاہیۓ، اعتدال نہ ہونے کے نتیجہ میں فرقہ بندیاں ہوتی ہیں اور آپس میں ناراضگیاں پیدا ہوتی ہیں اور آپس میں تناؤ اور کھچاؤ پیدا ہوتا ہے، اس لئے ہر شخص کو اپنے کام میں اعتدال کے ساتھ لگنا چاہیۓ۔

علماء دین کے چوکیدار ہیں

فرماتے ہیں کہ ''اہلِ علم دین کے چوکیدار ہیں، ہم تو طالب علم ہیں، اہل علم کو اللہ تعالیٰ نے دین کا چوکیدار بنایا ہے، چنانچہ ایک صاحب سے میں نے

اس قسم کی باتیں عرض کیں، تو جواب میں وہ صاحب کہنے لگے کہ ''یہ مولوی تو اسلام کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں، یہ لوگ جس چیز کے بارے میں کہدیں کہ یہ اسلام ہے تو وہ اسلام ہے اور جن کو یہ لوگ کہہ دیں کہ یہ اسلام نہیں تو وہ اسلام میں داخل نہیں'' میں نے ان سے جواب میں کہا کہ اسلام کا ٹھیکیدار تو کوئی نہیں بن سکتا لیکن ہم چوکیدار ضرور ہیں اور چوکیدار کا فریضہ یہ ہے کہ اگر شہزادہ بھی دربار شاہی میں داخل ہونا چاہے اور اس کے پاس ''پاس'' نہیں ہوگا تو وہ چوکیدار اس شہزادے کو بھی روک دے گا، حالانکہ چوکیدار جانتا ہے کہ میں چوکیدار ہوں اور یہ شہزادہ ہے، لیکن چوکیدار کے فرائض منصبی میں یہ بات داخل ہے کہ شہزادے کو روکے، اسی طرح ہم دین کے ٹھیکیدار نہیں البتہ چوکیدار ضرور ہیں، ہمارا کام جھاڑ و دینا ہے، آپ کی تعظیم و تکریم ہمارے سر آنکھوں پر لیکن بحیثیت چوکیدار ہمیں یہ بتانا ہوگا کہ آپ کا یہ کام صحیح نہیں ہے۔

دعوت وتبلیغ اور مدارس

بعثتِ نبویؐ کے تین مقاصد

دین کے بنیادی شعبوں میں تعلیم وتعلُّم، تزکیہ وسلوک اور دعوت وتبلیغ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، ان تینوں شعبوں میں سے ہر شعبہ اپنی جگہ پر اہم بھی ہے اور ضروری بھی، قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے ان شعبوں کو حضور اقدس ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے شمار فرمایا ہے، ارشاد باری ہے: اللہ کی ذات وہ ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیات کو پڑھتا، ان کی اصلاح کرتا اور ان کو کتاب اللہ وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگر چہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی بے راہ روی میں تھے (الجمعۃ:۲)۔

تعمیر کعبہ کے موقع پر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے جو دعائیں مانگی تھیں ان میں سے ایک دعا یہ تھی "اے ہمارے رب! اور آپ بھیجئے ان ہی لوگوں میں سے ایک رسول جو ان پر آپ کی آیات پڑھے اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی اصلاح کرے، بلا شبہ آپ زبردست حکمت والے ہیں" (البقرۃ۱۲۹)۔

اور ایک مقام پر حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے بے کراں احسانات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ انہیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیات کو پڑھتا،

ان کی اصلاح کرتا اور ان کو کتاب اللہ وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگر چہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی بے راہ روی میں تھے (آل عمران ۱۶۴)۔

ان تینوں آیات سے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ سب دین کے شعبے ہیں جن کے نفاذ اور نشر واشاعت کے لئے حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا ہے۔

ان تینوں آیات کا حوالہ دیتے ہوئے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ ''تفسیر معارف القرآن'' میں لکھتے ہیں: ''سورۃ البقرۃ'' کی اس آیت میں اور ''سورۂ آل عمران'' و ''سورۃ الجمعہ'' کی آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک ہی مضمون ایک ہی طرح کے الفاظ میں آیا ہے، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد یا آپ کے عہدۂ نبوت ورسالت کے فرائض منصبی تین بیان کئے گئے ہیں: ایک تلاوتِ آیات، دوسرے تعلیمِ کتاب وحکمت، تیسرے تزکیۂ اخلاق وغیرہ (معارف القرآن، ج۱/۳۳۱، ۳۳۲)۔

ان سب کو دین سمجھنا ہماری ذمہ داری ہے

حضرات مفسرین کی تصریح کے مطابق ''تلاوتِ آیات'' سے مراد تبلیغ ودعوت ہے اور ''تعلیم کتاب وحکمت'' کا مصداق تعلیم وتعلم ہے، اور تزکیہ سے مراد سلوک وتصوف یعنی انسان کے ظاہر وباطن کو رذائل سے صاف کرنا ہے، دین کے یہ تمام شعبے ضروری اور عظمت شان کے حامل ہیں ان سب کو دین سمجھنا

ہماری ذمہ داری ہے، ہمارے اس دور میں عموماً دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ دعوت وتبلیغ سے منسلک بعض نادان دوست دین کے دیگر شعبوں کو یا تو دین ہی نہیں سمجھتے یا ضروری نہیں سمجھتے، ان کا خیال یہ ہے کہ دین کی محنت صرف مروّجہ دعوت وتبلیغ تک محدود اور اس لائن سے کی جانے والی نقل وحرکت میں منحصر ہے، اور مدارس اور علمی مراکز میں بازگشت کرتیں "قال اللہ" و "قال الرسول" کی صدائیں قرآن کی تعلیم کی محنت، تفسیر، حدیث وسنت اور فقہ کی تدریس، تصنیف وتالیف اور افتاء وتمرین کی لائن سے کی جانے والی شب وروز کی محنتیں یا تو دین ہی نہیں یا پھر غیر اہم اور غیر ضروری ہیں، یاد رکھئے! اس طرح کی یہ ذہنیت بعثتِ نبوی کے مقاصد سے روگردانی اور دین کے بنیادی اور نہایت اہم امور کی تحقیر کے ساتھ ساتھ تبلیغی جماعت کے ہمارے اکابر کے منشاء کی صریح مخالفت ہے، وہ حضرات مدارس، تعلیم اور پڑھنے پڑھانے کو نہایت اہم اور ضروری سمجھتے تھے، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ فرمایا کرتے تھے "ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں اور حد یہ ہے کہ ہم خود پڑھاتے ہیں، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پڑھانے کے کام کے ساتھ تبلیغ کو بھی لگائے رکھو" (ملفوظات واقتباسات حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ ص ۱۱۳، ۱۱۴)۔

تبلیغ کے اہم رکن مولانا سعید احمد خان صاحبؒ کا ایک مکتوب

راقم السطور یہاں درس وتدریس اور دین کے دیگر شعبوں کی ضرورت واہمیت اور باہمی ربط کو واضح کرنے کیلئے حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب

کھیڑہ افغان (سہارنپور) مہاجر مکیؒ کے مکتوب سے ایک اقتباس نقل کرتا ہے (واضح رہے کہ مولانا تبلیغی جماعت کی اونچے درجہ کی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں، سعودی عرب میں امیر جماعت رہے، جہاں وہ دعوتِ دین کو انتہائی مؤثر اور ایک منفرد طرز و اداء میں پیش کرنے کے باعث عربوں میں بڑے مقبول تھے، دنیا کے اکثر و بیشتر حصوں میں تبلیغی محنت کو عام کیا، دعوت کے عمومی کام کے اصول وضوابط اور کام کا صحیح نہج بیان کرنے اور اس پر قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ سے دلائل پیش کرنے کا حضرت کو اللہ نے جو ملکہ دیا تھا وہ بس انہی کا حصہ تھا)۔

فرماتے ہیں: ''دین کے تمام شعبے ایسے ہی ہیں جیسے انسان کے اعضاء وجوارح، آنکھ سے دیکھنے کا کام، زبان سے بولنے کا کام، ہاتھ سے پکڑنے، کانوں سے سننے، پیروں سے چلنے، دماغ سے سوچنے کا کام، یہ سارے کام انسان کے لئے ضروری ہیں، اگر ایک عضو میں بھی کمزوری ہوگی یا نقص ہوگا تو اس سے تمام جسم کو تکلیف ہوگی اور چیزوں سے استفادہ میں نقصان ہوگا، ان سب اعضاء کی سخت ضرورت ہے، یہ سب اعضاء ایک دوسرے کے معاون ہیں، مقابل نہیں ہیں، معاون ہونے ہی کی وجہ سے دین مکمل ہوتا ہے، دعوت تو ان تمام شعبوں کو دنیا میں پھیلانے اور عام کرنے ہی کے لئے ہے'' (تبلیغی کام کے اہم اصول/ص ۷،۸)۔

مدارس کی تحقیر تبلیغ کیلئے مضر ہے

نیز آپؒ دعوت وتبلیغ سے منسلک ان حضرات پر نکیر فرمایا کرتے تھے جو

دین کے دیگر شعبوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ جس سے ان شعبوں کی تحقیر لازم آتی ہے، آپؒ اس طرزِ عمل کو دعوت و جماعت کے لئے انتہائی خطرناک اور اہلِ مدارس واہلِ خانقاہ کی جماعت سے دوری کا باعث سمجھتے تھے۔

اسی مکتوب میں لکھتے ہیں: ''جب ہم دعوت کے نمبر کو اور اس کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں تو کبھی علم والوں کے شعبے پر یعنی مدارس پر اس طرح فوقیت دیتے ہیں گویا وہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، اور کبھی ذکر والوں کے مقابلہ میں جیسا کہ بہت سے واعظین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں اس طرح بیان کرنے لگتے ہیں کہ دوسرے انبیاء کی تنقیص لازم آنے لگتی ہے، اوران کا یہ طرزِ بیان دین کے لئے بہت خطرناک ہے، ایسے ہی ہمارا طرزِ بیان بھی خطرناک ہوجاتا ہے'' (ایضاً:۵)۔

مولانا محمد عیسی منصوری اپنے رسالے ''مولانا سعید احمد خان شخصیت، احوال اور دینی خدمات'' میں لکھتے ہیں: حضرت مولاناؒ کے مزاج میں عجیب جامعیت تھی، آپ کسی بھی دینی شعبے کی ناقدری یا اس کی اہمیت کم کرنے کو برداشت نہیں فرماتے تھے، فرماتے اگر اخلاص ہو تو دین کا کوئی کام بھی چھوٹا نہیں۔

حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ اہلِ علم کی تنقید کو بڑی ہی بشاشت سے قبول فرمایا کرتے تھے، مولانا منصوری خود اپنا واقعہ نقل کرتے ہیں: ''حضرت مولانا کی تواضع اور کسرِ نفسی کا یہ عالم تھا کہ چھوٹے چھوٹے آدمی کی تنقید بھی قبول

فرماتے ،اس دور مین یہ چیز بالکل نایاب ہوگئی ہے، چند سال پہلے کی بات ہے، لندن تبلیغی مرکز کے خصوصی کمرہ میں بند ملاقات کے لئے پہنچا، دیکھا، مولانا کی پاکستانی جماعت کے رفقاء اور انگلینڈ کے متعدد اہل شوریٰ تشریف فرماہیں اور کوئی چیز پڑھی جارہی ہے، سنا تو پتہ چلا کہ کسی بیاض (کاپی) میں سے مبشرات پڑھے جارہے ہیں، یعنی کسی جماعت نے حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی ، خواب میں حضرت مولاناؒ کو حضور کے ہمراہ دیکھا وغیرہ وغیرہ، چند منٹ بعد بندہ نے عرض کیا، حضرت آپ کی مجلس میں اس طرح مبشرات سننا سنانا مناسب نہیں، آپ یہ مبشرات بعض بزرگوں کے لئے، خلفاء کے لئے چھوڑ دیں، یہ بزرگ الٹے سیدھے خواب دیکھتے ہیں اور انہیں چھاپ کر یہاں ہمیں ابتلاء میں ڈالتے ہیں، سنا ہے حضرت مولانا الیاسؒ نے دعا مانگی تھی اے اللہ! ہمارے اس کام کو مبشرات اور کرامات پہ مت چلانا، یہ سننا تھا کہ اسی وقت حضرت مولاناؒ نے بیاض بند کردی، فرمایا: ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان مبشرات سے دل کو تقویت پہنچتی ہے، مگر یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے بلکہ زیادہ اہم ہے، اس سے کئی فتنے پیدا ہوسکتے ہیں، اس لئے عمومی طور پر مبشرات کے سننے سنانے سے احتیاط کرنی چاہئے۔

اسی طرح ایک بار انگلینڈ کے سالانہ اجتماع کے اختتام پر ڈیوزبری میں مختلف شہروں کی مساجد والی جماعتوں (روزانہ ڈھائی گھنٹے فارغ کرنے والے) احباب جمع تھے، ان میں حضرت مولاناؒ نے بیان شروع فرمایا، کچھ دیر کے بعد فرمایا،

ہمیں اپنی مقدار بڑھانا چاہیے، روزانہ ڈھائی گھنٹے بڑھا کر آٹھ گھنٹے فارغ کرنے چاہئیں، بندہ بیان کے درمیان بول پڑا، حضرت! یہ آپ رہبانیت کی دعوت دے رہے ہیں، اگر ایک شخص روزانہ آٹھ گھنٹے فارغ کرلے، اس کے ساتھ عصر سے اشراق تک جمعرات کا اجتماع مہینے کے تین دن، سال کا چلہ، جماعتوں کی نصرت، یہ سب ملا کر نصف سے زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ رہبانیت ہے۔

ہم میں سے ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے، اگر یہ واقعہ ہمارے ساتھ بھرے مجمع میں پیش آتا تو ہمارا کیا ردِّعمل ہوتا؟ بندہ کم از کم اپنی بابت کہہ سکتا ہے کہ میرا نفس تو اسے برداشت نہ کرتا، نہ جانے کیا کہہ دیتا، مگر حضرت مولاناؒ نے مجھ جیسے طالب علم کی بات توجہ سے سنی اور قبول فرمائی، بعد میں مجھے اپنی اس حماقت پر سخت ندامت و افسوس ہوا، کہ مجھے یہ اشکال تنہائی میں عرض کرنا چاہیے تھا، مگر واہ مولانا سعید احمد خان! کیا بے نفسی کی انتہاء ہے کہ پورے سکون و بشاشت سے اشکال سن رہے ہیں اور قبول فرما رہے ہیں، سوچتا ہوں کہ کیا مولانا کے بعد اس کی مثال مل سکے گی؟ (ماخوذ از: سہ ماہی حسامی، اشاعت ۱۴۳۲ھ محرم)۔

مدارس دینی علوم کی ترویج اور دعوتِ دین کے مراکز ہیں

مدارس کے قیام کا مقصد دینی علوم یعنی قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر، تصنیف وتالیف کے ذریعہ امت کو دین سے فیضیاب کرنا اور ایسے علماء، حفاظ، قراء، داعی، مبلغ اور واعظ پیدا کرنا ہے جو امت کے طبقات کو ان دینی علوم سے

روشناس کرائیں، دین کی نشر واشاعت کے لئے کوشاں رہیں، دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور ان سے وابستہ تمام دینی اداروں کے قیام کا مقصد یہی تھا اور ہے، تبلیغی جماعت کے اہم رکن حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ دینی مدارس کے قیام کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ''علماء نے دین وعلومِ دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ کیا اور بلادِ ہند میں اسلامی حکومت کے زوال اور اس کی جگہ کفار کی حکومت کے لے لینے کے بعد اسلام کے مستقبل کے بارے میں خوف کیا......اور اپنے سامنے عربی مدارس اور دینی معاہد کھولنے کے سوا کوئی راستہ نہیں دیکھا، تو انہوں نے یہ دین کے قلعے بنائے، تاکہ اسلامی حیات کے بچے کھچے حصے کو محفوظ کریں اور مغربی تہذیب وتمدن کی لہر کا مقابلہ کریں، اور ان مدارس سے اسلام کے داعی وواعظ، مصلح وعالم پیدا کریں، تاکہ اہلِ اسلام کے لئے ان کے دین کو محفوظ کریں اور ان کے اعتماد کو بحال کریں، لہذا ان مدارس کا دین ودعوتِ اسلامی کی نشر واشاعت اور اسلامی تہذیب وثقافت کے مختلف طبقات میں رواج دینے اور بدعات وخرافات کا مقابلہ کرنے اور عوام میں دینی روح پھونکنے کے سلسلہ میں بڑا عظیم کارنامہ ہے (الاضواء علی الحرکات والدعوات/ص ۲۳،۲۴)۔

پتہ چلا کہ دینی مدارس کے قیام کی غرض صرف تعلیم ہی نہیں بلکہ دین کی دعوت اور تبلیغ بھی ہے، الحمد للہ مدارس اپنے ان مقاصد کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہیں، مدارس کی دعوت وتبلیغ کا طریقۂ کار اور نہج گرچہ مروجہ دعوت

وجماعت سے قدرے مختلف ہوسکتا ہے مگر اس سے مدارس کی خدمات سے صَرفِ نظر کرلینا اوران کودین کی محنت کے دائرے سے خارج سمجھنا بلاشبہ دین کے ایک اہم اور بڑے شعبہ کی تحقیر وتنقیص کرنا ہے، جوکہ جماعت کے ہمارے اکابر ثلاثہ حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت جی مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کی تعلیمات وارشادات کی صریح خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ خودان حضرات کی تحقیر وتنقیص بھی ہے، اس لئے کہ یہ تمام اکابر مدارس ہی کی پروردہ اورفیض یافتہ شخصیات ہیں۔

درس وتدریس بھی کارِتبلیغ ہے

دعوت وجماعت سے وابستہ ایک طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ دین کا اصل کام صرف مروّجہ دعوت وتبلیغ ہے، درس وتدریس اور مدارس کی دینی وعلمی خدمات فضول ہیں، اس لئے امت کو مدارس سے صرفِ نظر کرکے تبلیغ کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہئے، حالانکہ ان کا یہ خیال سراسر مبنی برحماقت ہے، مدارس ومکاتب کا قیام اوران کی بقا اورامت پران کی صیانت وحفاظت اسی طرح واجب ہے جیسا کہ دیگر دینی ودعوتی شعبوں کی حفاظت واجب ہے، بلکہ اس حیثیت سے مدارس کی اہمیت اوربھی زیادہ ہے کہ وہ دین وشریعت کے محافظ ہیں اوردین کی بنیادی تعلیم سے لےکرتفسیر وحدیث اورفقہ جیسی اعلیٰ تعلیم سے امت کوفیضیاب کرتے ہیں، یہ علماء کی تربیت گاہ ہیں، اوریہیں

سے وہ اصل مبلغین پیدا ہوتے ہیں جو حقیقی تبلیغ کے اہل ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو اغیار اور جاہل قسم کے لوگ دین متین کا حلیہ بگاڑ ڈالیں اور اس کے ساتھ وہی سلوک کریں جو ایک بڑھیا نے شاہی باز کے ساتھ کیا تھا۔

مدارس کے طلبہ واساتذہ بھی اللہ کے راستہ میں ہیں

اب یہیں سے یہ امر بھی ملحوظ رکھنے کا ہے کہ جب تعلیم وتعلم بھی ضروری ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ اس کے لئے یکسوئی انتہائی ضروری ہے، تو پھر ساری زندگی کے لئے مدارس کی لائن سے دین کی تبلیغ اور نشر واشاعت میں لگے ہوئے حضراتِ اساتذہ اور طلبہ سے مروّجہ جماعت میں لگنے اور شرکت کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ان حضرات کے بارے میں یہ تصور کرنا چاہئے کہ یہ حضرات بھی تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں اور ایک انتہائی ضروری کام میں مشغول ہیں جس کے لئے یکسوئی ضروری ہے، لہذا وہ اپنا کام کریں اور ہم اپنا، اس لئے کہ مدارس ہوں یا تبلیغی جماعت دونوں ہی اللہ کے راستے ہیں، اور اللہ کے دین کی تبلیغ کے شعبے ہیں، اس لئے دونوں شعبوں میں مخالفت اور عناد نہیں ہونا چاہئے بلکہ محبت اور خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہئے۔

شیخ الحدیث مولانا سرفاز خان صفدرؒ اور مولانا زین العابدین صاحبؒ کا ایک واقعہ

مولانا محمد یوسف صاحب ناظم ''الشریعۃ اکادمی'' لکھتے ہیں ''استاذ محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم نے دورانِ سبق قرآن

کریم کی آیت" ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر" کے تحت یہ واقعہ سنایا کہ حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ جو تبلیغی جماعت کے اکابر میں سے تھے، ایک بار ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت! میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں، آپ کو معلوم ہے کہ تبلیغ کا کام امت پر فرض عین ہو چکا ہے، استاذ محترم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مفتی صاحب کی طرف غور سے دیکھا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی کہ آپ یہ بات ارشاد فرمائیں گے، کیا آپ نے تفسیر مظہری، ابن کثیر اور روح المعانی کا مطالعہ نہیں فرمایا، یہ مفسرین اور ان کے علاوہ دیگر مفسرین قرآن کریم کی اس آیت "ولتكن منكم امة" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تبلیغ کا کام پوری امت پر بحیثیت امت فرض کفایہ ہے، اگر یہ فرض عین ہوتا تو بیوی کو شوہر سے اور غلام کو آقا سے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لئے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصب پر مامور کیا گیا ہے، فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب میری یہ بات سن کر خاموش ہو گئے، اصحاب علم کا یہی رویہ ہوتا ہے کہ جب ان کے سامنے صحیح بات آتی ہے تو وہ مجادلہ نہیں کرتے۔

ایک تبلیغی ساتھی کا مولانا کو وقت لگانے کے لئے کہنا

ایک مرتبہ فرمایا: میں ترمذی شریف پڑھایا کرتا تھا، تبلیغی جماعت کے ایک ضعیف العمر ساتھی روزانہ میرے ساتھ بیٹھ کر سبق سنا کرتے تھے، ایک دن کہنے لگے حضرت ! آپ بھی جماعت میں کچھ وقت لگائیں میں نے عرض کیا باباجی! یہ طلباء اتنی دور دراز سے علم حاصل کرنے آئے ہیں، اگر میں جماعت میں چلا گیا تو ان کو سبق کون پڑھائے گا؟ باباجی کہنے لگے استاذ جی فکر نہ کریں ان کو اللہ تعالیٰ پڑھائیں گے، میں نے عرض کی باباجی! اللہ تعالیٰ اس طرح براہِ راست نہیں پڑھایا کرتے۔

استاذ محترم جماعت کے مثبت پہلوؤں کی تحسین بھی فرمایا کرتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ عزیزو! یہ بڑا عظیم کام ہے، تبلیغی جماعت کے احباب بعض ایسے علاقوں تک بھی دین دکی دعوت لے کر پہنچے ہیں جہاں تک ہم نہ پہنچ سکے، لیکن اس کام میں غلو بڑا نقصان دہ ہے (بشکریہ سہ ماہی ''حسامی حیدرآباد'' اشاعت فروری ۲۰۱۰ء)۔

مدارس تبلیغ کیلئے بمنزلہ وضو ہیں

بعض تبلیغی احباب کا وہم یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے دین کی دعوت دی مگر مدارس قائم نہ کئے، ایسے لوگوں کے وہم کا ازالہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بڑے حکیمانہ طرز سے کیا ہے، حضرت فرماتے ہیں: ''مگر اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ جب انبیاء علیہم السلام نے مدرسہ نہیں بنایا تو مدرسے

بیکار ہیں، یہ بیکار نہیں ہیں یہ نماز کے لئے بمنزلۂ وضو ہیں کہ جس طرح نماز کے لئے وضو ضروری ہے اسی طرح تبلیغ واشاعت کے لئے مدارس کا وجود ضروری ہے'' آگے عالمیت سے فراغت کے بعد تبلیغ کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہاں بعدِ فراغ تبلیغ سے (خواہ کسی طریق سے ہو، تقریر سے، تحریر سے، تدریس سے، مالی امداد سے وغیرہ) باز رہنا ایسا ہی ہے جیسے وضو کر کے نماز نہ پڑھے، تو بہر حال اصل کام دعوت الی اللہ ہے اور اس کے قائم رکھنے کے لئے مدارس کی ضرورت ہے، اب یہ چاہئے کہ جب مدارس سے علم ضروری حاصل کرلیں تو دعوت الی اللہ بھی کیا کریں، جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے اور پڑھنا پڑھانا اس کا مقدمہ ہے، اس لئے یہ شغل (تبلیغ) بھی رکھیں (تبلیغ سے تعلیم کا جوڑ ص:۱۸)۔

حضرت تھانویؒ کا ایک قول۔ پڑھنا پڑھانا اصل تبلیغ ہے

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''البتہ مختلف اوقات میں اس کے طُرق مختلف ہیں، مثلاً اس وقت آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے، اگر نیت اچھی ہے، کیونکہ ''انما الاعمال باالنیات'' اگر آپ کی نیت میں یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کر امر بالمعروف کروں گا تو یہ پڑھنا بھی تبلیغ کا ہی شعبہ ہے، اگر یہ نیت نہ ہو تو پھر تبلیغ نہیں، غرض اچھی نیت سے اس وقت یہی کتابیں پڑھنا بیشک اصل تبلیغ ہے''۔

ایک جگہ فرماتے ہیں: پس مدرسین وطلبہ تبلیغ کا ثواب سن کر پڑھنا پڑھانا نہ

چھوڑیں بلکہ وہ اس میں نیتِ تبلیغ کریں'' (ایضاً ص:۱۸)۔

تعلیم و تعلم نہ ہو تو علم معدوم ہو جائے

ایک دوسرے موقع پر حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ''ہمارے اندر بڑی خرابی یہ ہے کہ یا تو کسی کام پر بالکل توجہ ہی نہیں، اور یا متوجہ ہوئے تو سب کے سب ایک ہی طرف ٹوٹ پڑے، چھوٹے بڑے سب اسی میں منہمک ہوگئے، اور سب کاموں کو چھوڑ بیٹھے...... میں نے اس کو مکرّر اس لئے بیان کیا کہ ہم لوگوں میں کام کے وقت غلو ہو جاتا ہے، بس جدھر کا رخ کرتے ہیں سب ایک ہی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں، اس لئے تبلیغ کی ضرورت بیان کرتے ہوئے مجھے اندیشہ ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ مدرسین وطلبہ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں، میں نے اس کو قصداً عرض کیا ہے کیوں کہ میں یہ رنگ دیکھ رہا ہوں کہ آج کل وہ طلبہ بھی جو علم سے فارغ نہیں ہوتے تبلیغ میں مشغول ہونا چاہتے ہیں، حالانکہ میرے نزدیک ان کے لئے تکمیلِ علم اول ضروری ہے، کیونکہ اگر یہ پڑھنا پڑھانا نہ ہو تو تصنیف و تبلیغ وغیرہ بھی سب بیکار ہے، کیونکہ کہ ناقص کی تبلیغ وغیرہ کچھ قابلِ اعتبار نہیں، بلکہ اس طرح تو چند روز میں علم بالکل معدوم ہی ہو جائے گا، تو تعلیم و تعلم بھی ایک فرد ہے تبلیغ کا'' (ماخوذ از: آداب التبلیغ)۔

تبلیغ و تعلیم میں جوڑ قائم رکھئے

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ

فرماتے ہیں: ”تعلیم کا دوسرا موضوع یہ ہے کہ کتاب وسنت کے مسائل نکال کر یہ بتانا کہ اس کی غرض وغایت کیا ہے، غرض وغایت بتا کر پہلے تو عمل کرانا اور اس کے بعد جذبہ پیدا کرنا ہے کہ اس چیز کو دوسروں تک پہونچاؤ، یعنی دعوت الی اللہ کرو، تو تعلیم کا موضوع ہوا استعمال، بعد میں دعوت، اور دعوت الی اللہ کا موضوع ہے کہ دین پر آؤ اور پھر تعلیم پاؤ، تو معلوم ہوا کہ ایک دوسرے سے مربوط ہے، مگر لوگوں نے ایک دوسرے کو مقابل میں ڈالدیا جو درست نہیں ہے، بلکہ تعلیم کے لئے تبلیغ ضروری ہے اور تبلیغ کے لئے تعلیم ضروری ہے، اگر کوئی تبلیغ تعلیم سے کٹ جائے تو وہ تبلیغِ جہالت ہوگی تبلیغِ دین نہ ہوگی، تو تعلیم کا تقاضہ یہ ہے کہ تبلیغ کی طرف لاؤ اور تبلیغ کا تقاضہ یہ ہے کہ تعلیم کی طرف لاؤ، یہ ایک دوسرے کے لئے لازم ہے“ (دو اہم مسئلے، ص: ۳۴۔۳۵)۔

علماء اور مبلّغین کو تقابل کی راہ اپنانا امت کے لئے بے حد مُضر ہے

ایک دوسری جگہ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

”علماء کو چاہئے کہ جو طریقے (کام کی اصلاح وافادیت اور امت کی خیر خواہی سے متعلق) ان کے ذہن میں ہوں تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کریں، یہ نہیں کہ عوام کے سامنے پیش کردیں، ورنہ عوام تو سرے سے تبلیغ سے بدظن ہو جائیں گے، اگر عوام میں یہ اعلان کیا کہ یہ طریقہ غلط ہے تو عوام بدظن ہوکر چھوڑ دیں گے نہ تعلیم کے رہیں گے اور نہ تبلیغ کے، اس کا طریقہ یہی ہے کہ ذمہ

دارانِ تبلیغ سے کہئے کہ اس کی رعایت کی جائے اگر وہ مناسب سمجھیں گے تو مان لیں گے، اگر مان لیا تو فبہا، اور اگر نہیں مانا تو ان کا وہ طرز ہے اس پر چل رہے ہیں...... بہر حال تبلیغ ان پر بھی فرض ہے اور آپ پر بھی فرض ہے، یہ کام ہر ایک کے ذمہ ہے، یہ طریقہ جو ہے کہ علماء اعتراض کریں مبلغین پر اور مبلغین اعتراض کریں علماء پر اس سے ضعف اور ٹکراؤ پیدا ہوگا اور جو کام ہو رہا ہے وہ بھی رک جائے گا، اب اگر علماء حضرات جماعتِ تبلیغ کے مقابل آ جائیں اور اہلِ تبلیغ علماء کے مدّ مقابل آ جائیں اور جماعت والے یوں کہیں کہ علماء کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مدرسہ میں بیٹھ کر کتابیں پڑھائیں، ان کے پاس دعوت کا کام نہیں ہے اور علماء یوں کہیں کہ جاہل لوگ تبلیغ کا کام کرتے ہیں، ان کو شعور نہیں ہے تو اس سے ان میں ٹکراؤ پیدا ہوگا۔

لہٰذا ضروری یہ ہے کہ ایک جماعت دوسرے سے مل کر کام کرے، تبلیغ والے افراد لوگوں میں جذباتِ دین پیدا کریں اور علماء حضرات مکاتب (ومدارس) قائم کرتے چلے جائیں تاکہ تعلیم ختم نہ ہو (ایضاً ص:۳۸۔۳۹)۔

باہمی تعاون کی ایک صورت

فرماتے ہیں: ”جب تعلیم وتبلیغ کا جوڑ پیدا ہوگا تو اس سے کامیابی ہوگی اور دوسری بات یہ ہے کہ اس سے تعلیم وتبلیغ دونوں جمع ہو جائیں گے، اس کی صورت یہ ہے کہ جہاں جہاں عربی مدارس قائم کریں وہ مرکزی مدارس کو لکھیں کہ

اتنا کام ہمارا تھا ہم نے کر دیا، اب تم سنبھالو، تو علماء یہ سمجھیں گے کہ یہ تو ہمارا ہی کام انجام دے رہے ہیں کہ جگہ جگہ مدرسے اور مکتب قائم کیے تو اس کا نظم بنے گا، اور علماء جہاں بھی ان مدارس میں کام کریں وہاں کے لوگوں میں دعوت کا جذبہ پیدا کریں اور جماعتِ تبلیغ کو لکھیں کہ ہم نے ان میں جذبہ پیدا کر دیا ہے اب تم آؤ اور ان کو گھروں سے نکالو اور چلاؤ، تو اس طرح سے دونوں آپس میں جڑ جائیں گے، اس جُڑنے میں دونوں کا فائدہ ہے اور ٹوٹنے میں دونوں کا نقصان ہے''...... آگے چل کر حضرت حکیم الاسلامؒ حضراتِ علماء کو تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''بہر حال تبلیغ کا ایک کام ہو رہا ہے اور اس کا فائدہ بھی ظاہر ہے، اس میں بعض نقائص بھی ہیں، لیکن فوائد بھی ہیں، لہذا اگر نقائص پر زور دیا گیا تو وہ فوائد بھی بند ہو جائیں گے، لہذا یہ ہونا چاہئے کہ جو فوائد ہیں وہ چلتے رہیں اور جو نقائص ہیں ان کی اصلاح کرتے رہیں'' (ایضاً ص:۴۰)۔

حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے یہاں علم واہلِ علم اور مدارس کی اہمیت وافادیت

میں علم وذکر کی تقویت کے لئے کام کررہاہوں

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ نے اپنے مواعظ میں حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ملفوظ ذکر کیا ہے کہ: حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں علم اور ذکر کی تقویت کے لئے تبلیغ کا کام کررہاہوں، جب آدمی جماعت میں چل کر تین چلّے لگالے گا اور پھر تم اس کو علم پر اور دوازدہ تسبیح پر ڈال دو گے تو وہ زیادہ نفع بخش کام کرنے والا بن جائے گا، فرماتے تھے کہ تبلیغ کے ذریعہ تصوف کی طرف کھینچتا ہے اور تبلیغ کے ذریعہ علم کی طرف کھینچتا ہے (مواعظِ عبیدیہ ص:۱۹۷)۔

حضرتؒ کا یہ ملفوظ پڑھ کر دعوت وجماعت سے وابستہ وہ طبقہ ذرا ہوش کے ناخن لے جو عوام کو علم دین کی لائن سے کی جانے والی مدارس کی محنتوں اور تصوف کے تعلق سے کی جانے والی خانقاہی نقل وحرکت کی طرف کھینچنے کے بجائے ان سے متنفر کرنے میں مصروف عمل ہے۔

علم وذکر کے بغیر فتنہ کا اندیشہ

نیز مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ فرماتے ہیں: اسی طرح حضرتؒ بغیر ذکر اور علم کے تبلیغ سے، بہت جلد فتنوں کے آنے کا اندیشہ ظاہر کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بغیر علم وذکر والی تبلیغ کے ذریعہ صدیوں میں آنے والا فتنہ وفساد منٹوں میں آجائے

گا، اور جب تبلیغ کا کام صحیح اصولوں پر ہوگا تو صدیوں کے فتنے وفساد منٹوں میں ٹل جائیں گے (ایضا)۔

ایک دن بعد نمازِ فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولاناؒ کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ بآواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ: آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جد وجہد بے کار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا (گویا یہ علم وذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جا سکتی) بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جد وجہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے، دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام وایمان محض رسمی اور اسمی ہیں، اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر عمل ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے، اور علیٰ ہذا اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے، الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات وثمرات حاصل نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلۂ کار بنالیتا ہے، لہذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے، ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ

جائے گی، اور خدانہ کردہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔

حضرت مولاناؒ کا مطلب اس ہدایت سے یہ تھا کہ اس راہ میں کام کرنے والے تبلیغ ودعوت کے سلسلہ کی محنت ومشقت، سفر وہجرت، اور ایثار وقربانی ہی کو اصل کام نہ سمجھیں جیسا کہ آج کل کی عام ہوا ہے، بلکہ دین کے تعلیم وتعلم اور ذکر اللہ کی عادت ڈالنے اور اس سے تعلق پیدا کرنے کو اپنا اہم فریضہ سمجھیں، بہ الفاظ دیگر ان کو صرف ''سپاہی'' اور ''والینٹر'' بننا نہیں ہے بلکہ طالبِ علم دین اور اللہ کا یاد کرنے والا بندہ بھی بننا ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص:۳۱-۳۲)۔

حضرت جیؒ کا تجوید وقرأت کی ترغیب دینا

فرمایا: تبلیغی جماعتوں کے نصابِ تعلیم کا ایک اہم جز تجوید بھی ہے، قرآن شریف اچھی طرح پڑھنا بڑی ضروری چیز ہے......لیکن تجوید کی تعلیم کے لئے جتنا وقت درکار ہے جماعت میں اتنا وقت نہیں مل سکتا، اس لئے ان ایام میں تو صرف اس کی کوشش کی جائے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت کا احساس ہوجائے اور کچھ مناسبت ہوجائے اور پھر اس کو سیکھنے کے لئے وہ مستقل وقت صرف کرنے پر آمادہ ہوجائیں (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص:۱۳۰)۔

الحمدللہ مدارس ومکاتب میں علم تجوید وقرأت کے مستقل شعبے قائم ہیں اور اس فن پر خصوصیت کے ساتھ محنت ہوتی ہے، حضرت جیؒ نے صاف واضح کردیا کہ محض تبلیغی جماعت میں نکل جانے سے تجوید وقرأت جیسے اہم علم کو حاصل کرنا ناممکن

ہے، اس کے لئے مدارس میں باقاعدہ وقت لگانا اور علماء وقراء سے مربوط ہونا ضروری ہے۔

علمِ دین اور ذکر کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا معمول تھا کہ آپ اللہ کے راستہ میں نکلنے والوں کو خصوصیت کے ساتھ علمِ دین کی ترغیب اور شوق دلایا کرتے تھے، ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں: ہماری اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینی چاہئے کہ تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم وتربیت بھی مقصود ہے، لہذا نکلنے کے زمانہ میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے، علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص:۸۸)۔

پھر ایک موقع پر فرمایا: ہمارے سب کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ تبلیغ کے لئے باہر جانے کے زمانے میں بالخصوص علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں، علم اور ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں، نیز علم اور ذکر کی تحصیل اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیرِ ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو (ایضا:۱۱۶)۔

قرآن کی تعلیم گھر گھر میں عام ہو جائے

فرمایا: جب تک قرآن مجید مسلمانوں میں گھر گھر رواج نہ پا جائے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے، خود حافظِ قرآن صبح و شام قرآن کی تعلیم کو اپنا فخر سمجھتے ہوئے اس کا رواج دیں اور امراء کو اس کی رغبت دلائیں کہ وہ خود کریں، اور دوسروں سے کوشش کرا کر نگرانی کریں کیوں کہ وہ اس کے اہل ہیں (ارشادات و مکتوبات، ص: ۱۰۷)۔

علم و ذکر کے بغیر یہ تحریک سراسر مادیت ہے

اپنے آخری ایام میں حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے علم و ذکر کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ زندگی کے آخری ایام کے احوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان دنوں میں چند باتوں کا زندگی بھر سے زیادہ اہتمام رہا، اول اور سب سے زیادہ علم و ذکر کی ترغیب و تاکید، اس تصور سے کہ یہ کام عام عصری تحریکات کی طرح محض ایک بے روح ڈھانچہ، قواعد و ضوابط کا مجموعہ اور ایک مادّی نظام بن کر نہ رہ جائے، آپ برابر لرزاں و ترساں رہتے تھے اور طبیعت پر اس کا ایک بوجھ تھا، بار بار اس سے ڈراتے تھے، بار بار علم اور ذکر کے اہتمام کی تاکید فرماتے تھے، بار بار کہتے اور کہلواتے تھے کہ علم و ذکر اس گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کے بغیر یہ گاڑی نہیں چل سکتی، دو بازو ہیں جن کے بغیر اس کی پرواز نہیں، علم کے لئے ذکر اور ذکر کے لئے علم کی ضرورت ہے، علم بغیر ذکر کے ظلمت ہے، ذکر بغیر علم کے فتنہ ہے اور یہ تحریک و نظام ان دونوں کے بغیر

سراسر مادیّت ہے (مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت، ص:۱۶۵)۔

علم وذکر کے سلسلہ میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی فکرمندی

حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ اس دعوت والی محنت میں علمِ دین اور ذکر کو ساتھ لے کر چلنے کی بڑی تاکید فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں کمی وکوتاہی پر بے چینی کا اظہار فرماتے تھے، چند ملفوظات پیشِ خدمت ہیں:

فرمایا: ہماری تبلیغ میں علم وذکر کی بڑی اہمیت ہے، بدون علم کے نہ عمل ہوسکے نہ عمل کی معرفت، اور بدون ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے اس میں نور نہیں ہوسکتا، مگر ہمارے کام کرنے والوں میں اس کی کمی ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، ص:۳۷)۔

اور ایک موقع پر فرمایا: دو چیزوں کا مجھے بڑا فکر ہے ان کا اہتمام کیا جائے، ایک ذکر کا کہ اپنی جماعت میں اس کی کمی پا رہا ہوں ان کو ذکر بتلایا جائے، دوسرے اہلِ اموال کو مصرفِ زکوٰۃ سمجھایا جائے۔

علماء پر اعتراض سخت چیز ہے

پھر فرمایا کہ: ایک عامی مسلمان کی طرف سے بھی بلاوجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، ص:۴۵)۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کے مذکورہ بالا دونوں ملفوظ ان تبلیغی احباب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے جو کہ دین کی ایک مستقل خدمت درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تعلیم وتعلم میں یکسوئی کے ساتھ مشغول ان علماء پر

جوکہ اپنی دینی وعلمی خدمات میں مصروفیت کے باعث مروّجہ دعوت وتبلیغ کے وقت نہیں نکال پاتے اعتراض جتاتے ہیں۔

اکرامِ مسلم اوراحترام علماءتبلیغ کی بنیادی چیز

فرمایا: ہمارے طریقۂ تبلیغ میں عزتِ مسلم اوراحترام علماء بنیادی چیز ہے، ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنا چاہئے اور علماء کا بوجہ علم دین کے بہت احترام کرنا چاہئے، پھر فرمایا: کہ علم وذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا، اس کی مجھے بڑی فکر ہے اوراس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کواہلِ علم اوراہلِ ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اوران کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں (ایضاً ص: ۴۵-۴۶)۔

اکابرعلماءسےعقیدت اوران سےنیازمندانہ تعلق

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کے دل میں وقت کے اکابر علماء کی بڑی قدر وقیمت اور گہری عقیدت تھی، حضرت مولانا رشیداحمد صاحب گنگوہیؒ اورآپ کے خلفاء حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمودالحسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اورشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے عقیدت ومحبت کا تعلق تھا، خود فرماتے ہیں: میری نیازمندی کا تعلق اپنے زمانہ کے سب ہی بزرگوں سے رہا اور الحمدللہ سب کی عنایات اورسب کا اعتماد مجھے حاصل رہا (ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ، ص: ۱۴۳)۔

علماء کی خدمت میں حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو

فرمایا: ہمارے عام کارکن جہاں بھی جائیں وہاں کے حقانی علماء وصلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں، لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، ص:۲۹)۔

حضرت تھانویؒ اور ان کے متعلقین سے استفادہ کیا جائے

حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ چاہتے تھے کہ تبلیغی احباب علماء سے منسلک رہیں، ایک خط میں کارکنانِ میوات کو چند ہدایات تحریر فرمائی، اس خط میں یہ بھی تحریر فرمایا: (۸) حضرت تھانویؒ کے لئے ایصالِ ثواب کا بہت اہتمام کیا جاوے، ہر طرح کی خیر سے ان کو ثواب پہنچایا جائے، کثرت سے قرآن شریف ختم کرائے جائیں، یہ ضروری نہیں کہ سب اکٹھے ہو کر ہی پڑھیں بلکہ ہر ہر شخص کا تنہائی میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے، تبلیغ میں نکلنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے اس لئے اس صورت سے زیادہ پہنچاؤ۔

(۹) حضرت تھانویؒ سے منتفع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کے آدمیوں سے اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جاوے، ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا اور ان کے آدمیوں سے عمل (مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ، ص:۱۲۷۔۱۲۸)۔

کام کرنے والوں کو حضرت تھانویؒ کی ہدایات پر چلنے کی تلقین

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: چند روز پہلے حکیم

الامت حضرت تھانویؒ کا وصال ہوا تھا، حضرت ممدوح سے تعلق بیعت رکھنے والے ایک صاحب زیارت کے لئے تشریف لائے ، راقمِ سطور نے ان کا تعارف کرایا، اس پر حضرت نے فرمایا: ''جن حضرات کا حلقۂ محبت وتعلق اتنا وسیع ہو جتنا کہ ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہ کا تھا چاہئے کہ ان کی تعزیتِ عامہ کی فکر کی جائے، میرا جی چاہتا ہے کہ اس وقت حضرت کے تمام تعلق رکھنے والوں کی تعزیت کی جائے اور خاص طور سے یہ مضمون آج کل پھیلایا جائے، ترقیٔ درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت کی تعلیماتِ حقہ اور ہدایت پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے، جتنا جتنا حضرت کی ہدایات پر کوئی چلے گا اتنا ہی بقاعدہ ''من دعی الی حسنةٍ فله اجرها واجر من عملها'' (حدیث) حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے سرمایۂ حسنات اور درجات عالیہ میں ترقی ہوگی، پھر فرمایا: کہ یہ ایصال ثواب کا اعلیٰ طریقہ ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، ص:۵۵)۔

حضرت مولانا تھانویؒ کے متعلقین کی وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوئی

ایک بار فرمایا: حضرت مولانا تھانویؒ کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے، کیونکہ وہ قریب العہد ہیں، اسی وجہ سے تم میری باتیں جلدی سمجھ جاتے ہو کہ مولانا کی باتیں سن چکے ہو اور تازہ سنی ہوئی ہیں۔ پھر فرمایا: تمہاری وجہ

سے میرے کام میں بہت برکت ہوئی ، میرا جی بہت خوش ہوا، پھر بہت دعائیں دیں اور فرمایا: تم خود بھی رو رو کر اس نعمت کا شکر کرو (ایضا،ص:۴۷)۔

علماء، عوام اور متعدد طبقات میں جوڑ پیدا کرنا حضرت جیؒ کا اہم مقصد تھا

دعوت و تبلیغ کی تحریک سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ دین کے متعدد شعبوں سے وابستہ مختلف طبقات بالخصوص علماء اور عوام میں باہمی ربط اور جوڑ پیدا ہو، ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں: اپنی اس تحریک کے ذریعہ ہم ہر جگہ علماء اور اہل دین اور دنیا داروں میں میل وملاپ اور صلح وآشتی بھی کرانا چاہتے ہیں، نیز خود علماء اور اہل دین کے مختلف حلقوں میں الفت ومحبت اور تعاون ویگانگت کا پیدا کرنا اس سلسلہ میں ہمارے پیشِ نظر بلکہ ہمارا اہم مقصد ہے اور یہ دینی دعوت ہی انشاء اللہ اس کا ذریعہ ووسیلہ بنے گی (ایضا،ص:٦٧)۔

تبلیغ والے علماء وصلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے کے لئے جائیں

فرمایا: ہماری تبلیغ میں کام کرنیوالوں کو تین طبقوں میں تین ہی مقاصد کیلئے خصوصیت سے جانا چاہئے۔

(۱) علماء وصلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لئے۔

(۲) اپنے سے کم درجہ کے لوگوں میں دینی باتوں کو پھیلانے کے ذریعہ اپنی تکمیل اور اپنے دین میں رسوخ حاصل کرنے کیلئے۔

(۳) مختلف گروہوں میں ان کی متفرق خوبیاں جذب کرنے کے لئے (ایضاً ص:۶۰)۔

ناگواری پیش آنے پر بھی علماء سے استفادہ جاری رکھیں

فرمایا: اہلِ دین (علماء وصلحاء) کو اس کام (تبلیغی واصلاحی) جدوجہد میں شریک کرنے اور ان کو راضی ومطمئن کرنے کی فکر زیادہ سے زیادہ کرنی چاہئے اور جہاں ان کا اختلاف اور ناگواری معلوم ہو وہاں ان کو معذور قرار دینے کے لئے ان کے حق میں اچھی تاویل کرنی چاہئے اور ان کی خدمتوں میں دینی استفادہ اور حصول برکات کی نیت سے حاضر ہوتے رہنا چاہئے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص:۶۱)۔

مسلمانوں کو علماء کی خدمت چار نیتوں سے کرنی چاہئے

ایک بار فرمایا: کہ مسلمانوں کو علماء کی خدمت چار نیتوں سے کرنا چاہئے۔

(۱) اسلام کی جہت سے، چنانچہ محض اسلام کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی مسلمان کی زیارت کو جائے، یعنی محض حسبۃً للہ ملاقات کرے تو ستّر ہزار فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پَر اور بازو بچھا دیتے ہیں تو جب مطلقاً ہر مسلمان کی زیارت میں یہ فضیلت ہے تو علماء کی زیارت میں بھی فضیلت ضروری ہے۔

(۲) یہ کہ ان کے قلوب واجسام حاملِ علومِ نبوت ہیں اس جہت سے بھی وہ قابلِ تعظیم اور لائقِ خدمت ہیں۔

(۳) یہ کہ وہ ہمارے دینی کاموں کی نگرانی کرنے والے ہیں۔

(۴) ان کی ضروریات کے تفقد کے لئے ، کیونکہ اگر دوسرے مسلمان ان کی دنیوی ضرورتوں کا تفقد کر کے ان ضرورتوں کو پورا کر دیں جن کو اہل اموال پورا کر سکتے ہیں تو علماء اپنی ضرورتوں میں وقت صرف کرنے سے بچ جائیں گے اور وہ وقت بھی خدمتِ علم و دین میں خرچ کریں گے ، تو اہل اموال کو ان کے ان اعمال کا ثواب ملے گا (ایضاً ص:۴۴)۔

علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں

ایک بار فرمایا کہ: ”جو وفود سہارنپور، دیوبند وغیرہ تبلیغ کے لئے جارہے ہیں ان کے ہمراہ تجارِ دہلی کے خطوط کر دیئے جائیں، جن میں نیاز مندانہ لہجہ میں حضراتِ علماء سے عرض کیا جائے کہ یہ وفود عوام میں تبلیغ کے لئے حاضر ہورہے ہیں، آپ حضرات کے اوقات بہت قیمتی ہیں، اگر ان میں سے کچھ وقت اس قافلہ کی سرپرستی میں دے سکیں، جس میں آپ کا اور طلبہ کا حرج نہ ہو تو اس کی سرپرستی فرمائیں، اور طلباء کو اس کام میں اپنی نگرانی میں ساتھ لیں، طلباء کو از خود بدون اساتذہ کی نگرانی کے اس کام میں حصہ نہ لینا چاہیے، اور قافلہ والوں کو یعنی وفودِ تبلیغ کو نصیحت کی جائے کہ اگر حضراتِ علماء توجہ میں کمی کریں تو ان کے دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے، بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں، وہ راتوں کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں جبکہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں، اور ان کی عدم توجہ کو اپنی کوتاہی پر محمول کریں کہ ہم نے ان کے پاس

آمد و رفت کم کی ہے، اس لئے وہ ہم سے زیادہ ان لوگوں پر متوجہ ہیں جو سالہا سال کے لئے ان کے پاس آپڑے ہیں (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص: ۴۵)۔

مبلغین، اہلِ علم وذکر کی سرپرستی میں تبلیغ کریں

فرماتے ہیں: ''علم اور ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا، اس کی مجھے بڑی فکر ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہلِ علم اور اہلِ ذکر کے پاس بھیجا جائے، کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں (ایضاً ص: ۵۲)۔

فرمایا: ہمارے عام کارکن جہاں بھی جائیں وہاں کے حقانی علماء وصلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں، لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو، اور ان حضرات کو براہِ راست اس کام کی دعوت نہ دیں، وہ حضرات جن دینی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں ان کو تو وہ خوب جانتے ہیں اور ان کے منافع کا وہ تجربہ رکھتے ہیں اور تم اپنی یہ بات ان کو اچھی طرح سمجھا نہ سکو گے ...... پھر اگر اس کے بعد وہ خود تمہاری طرف اور تمہارے کام کی طرف متوجہ ہوں تو ان سے سرپرستی اور خبر گیری کی درخواست کی جائے اور ان کے دینی ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات ان سے کہی جائے (ایضاً ص: ۲۹)۔

علماء وصلحاء کی خدمت میں استفادہ اور حصول برکات کی نیت سے حاضر ہوتے رہنا چاہئے

فرمایا: اہل دین (علماء وصلحاء) کو اس کام (تبلیغی واصلاحی) جد وجہد میں شریک کرنے اور ان کو راضی ومطمئن کرنے کی فکر زیادہ سے زیادہ ہونی

چاہئے ،اور جہاں ان کا اختلاف اور ناگواری معلوم ہو، وہاں ان کو معذور قرار دینے کے لئے ان کے حق میں اچھی تاویل کرنی چاہئے ،اوران کی خدمتوں میں دینی استفادہ اور حصولِ برکات کی نیت سے حاضر ہوتے رہنا چاہئے (ایضاً ص:٦١)۔

میواتیوں کو علماء کی خدمت کی ترغیب

وضو کرانے والے میواتیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: تم لوگ اُن علماء کی خدمتیں کرو، جو ابھی تک تمہاری قوم کو دین سکھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں، میرا کیا ہے، میں تو تمہارے ملک میں جاتا ہی ہوں، تم نہ بلاؤ جب بھی جاؤں گا، جو علماء ابھی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہیں ان کی خدمتیں کروگے تو وہ بھی تمہاری قوم کی دینی خدمت کرنے لگیں گے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص:۱۲۴)۔

اپنے تمام اساتذہ کا ادب واحترام آپ کا فریضہ ہے

طلبائے دارالعلوم دیوبند سے خطاب

مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ رقم طراز ہیں: ’’آج بتاریخ ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ بروز چہار شنبہ رات میں دارالعلوم دیوبند کے طلباء کی ایک جماعت آئی ہے، رات بوقتِ عشاء حضرت کو اسہال کا ایک دورہ ہو گیا تھا جس سے ضعف انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، بات کرنے کی طاقت نہیں ہے، بعد نمازِ فجر خاکسار مرتب کو بلایا اور ارشاد فرمایا: ’’کان بالکل میرے لبوں سے لگادو اور سنو! یہ طلباء اللہ کی امانت اور اس کا عطیہ ہیں، اس کی قدر اور اس نعمت کا شکریہ

یہ ہے کہ ان کا وقت ان کی حیثیت کے مناسب پورے اہتمام سے کام میں لگایا جائے اور ذرا سا وقت بھی ضائع نہ جائے، یہ بہت کم وقت لے کے آئے ہیں، پہلے میری یہ دو تین باتیں انہیں پہنچادو۔

''اپنے تمام اساتذہ کی توقیر اور ان سب کا ادب واحترام آپ کا خصوصی اور امتیازی فریضہ ہے، آپ کو ان کی ایسی تعظیم کرنی چاہئے جیسی کہ ائمہ دین کی کی جاتی ہے، وہ آپ لوگوں کے لئے علم نبوی کے حصول کا ذریعہ ہیں، اور جس شخص نے کسی کو دین کی ایک بات بھی بتلادی وہ اس کا مولیٰ (غلام) ہوجاتا ہے، پھر علم دین کے مستقل اساتذہ کا جو حق ہے وہ سمجھا جاسکتا ہے، بلکہ اگر ان کے درمیان کچھ نزاعات بھی ہوں، تب بھی ادب وتعظیم کا تعلق سب کے ساتھ یکساں رہنا چاہئے، خواہ محبت وعقیدت کسی کے ساتھ کم اور کسی کے ساتھ زیادہ ہو، لیکن عظمت میں فرق نہ آنا چاہئے'' (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص:۱۰۰-۱۰۱)۔

مدارس کو زیادہ سے زیادہ طلبہ دینا حضرت جیؒ کا منشاء تھا

آخری مرض میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے فرمایا: ہماری تحریک یہی ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں، یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گنی زیادہ خانقاہیں قائم ہوجائیں۔

بلاشک حضرت جیؒ مولانا محمد الیاس صاحبؒ اپنے اس منشاء میں کافی حد تک کامیاب رہے، وہ لوگ جو علماء ومدارس دینیہ سے متنفر تھے مانوس ہوئے

اوراپنے بچوں کو علمِ دین کی تحصیل کیلئے مدارس میں داخل کیا، حتیٰ کہ تبلیغی تحریک سے وابستہ بعض حضرات نے اپنے بچوں کو اسکول وکالج سے ہٹا کر دینی مدارس میں داخلہ دلایا۔

حضرت جیؒ دینی مدارس کا وجود مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری سمجھتے تھے

حضرت شیخ لکھتے ہیں: حضرت دہلویؒ کی رائے یہ تھی جس کو انہوں نے مختلف عناوین سے ملفوظات میں، مکاتیب میں اور ارشادات میں ظاہر کیا ہے کہ، ان کی تبلیغ مدارس اور خانقاہوں کی ترقی کا ذریعہ ہے، ایک جگہ حضرت دہلویؒ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے، علی میاں حضرت دہلویؒ کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ: ''مولانا مدارس دینیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری سمجھتے تھے اور اس سایۂ رحمت کے مسلمانوں کے سروں سے اٹھ جانے کو موجبِ وبال اور قہر سمجھتے تھے، لوگوں کی ناقدردانی اور غفلت سے دینی مدارس اور مکاتب کی ایک بڑی تعداد میوات میں معطل ہوگئی تھی، شیخ رشید احمد صاحب کو اسی خط میں اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ''لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں آپ ہمت فرمادیں کہ سینکڑوں مدرسوں کا سست پڑجانا، یا بند ہوجانا، اہلِ زمانہ کے لئے نہایت وبال اور نہایت بازپرس کا خطرہ رکھتا ہے، کہ قرآن دنیا سے مٹتا چلا جائے اور ہمارے پیسوں میں اس کا کوئی حصہ اور ہمارے دلوں میں اس کا کوئی درد نہ ہو، یہ سب باتیں خطرناک ہیں'' (جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات/ص:۱۹)۔

حضرت جیؒ اس کام کو حضرت گنگوہیؒ کا فیضان سمجھتے تھے

فرمایا: حضرت گنگوہیؒ اس دور کے قطب ارشاد اور مجدِّد تھے، لیکن مجدد کے لئے ضروری نہیں ہے کہ سارا تجدیدی کام اس کے ہاتھ پر ظاہر ہو، بلکہ اس کے آدمیوں کے ذریعہ جو کام ہو وہ سب بھی بالواسطہ اسی کا ہے، جس طرح خلفائے راشدین بالخصوص حضرات شیخین کا کام فی الحقیقت رسول اللہ ﷺ ہی کا کام ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص: ۹۷)۔

علماء کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے

فرمایا: علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں دین کی صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے کیلئے آمادہ ہی کیا جاسکتا ہے، آگے دین کی تعلیم و تربیت کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہوسکتا ہے، اس لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص: ۱۳۴)۔

حضرت گنگوہیؒ سے عقیدت اور ان کے خلفاء سے استفادہ کا تعلق

حضرت جیؒ کی حیات کے دس برس، گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی کیمیا اثر صحبت بابرکت میں گذرے، جب حضرت گنگوہیؒ کا وصال ہوا تو بیس سال کے جوان تھے، حضرت گنگوہیؒ سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی، علاوہ ازیں حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء و متعلقین سے بھی حد درجہ لگاؤ

اور تعلق تھا، اور ان حضرات سے مسلسل استفادہ کرتے رہے، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ رقمطراز ہیں: ''اس عرصہ میں دوسرے مشائخ اور مولانا گنگوہیؒ کے دوسرے خلفاء سے عقیدت مندی اور صحبت واستفادہ کا تعلق برابر قائم رہا، شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ، اور مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے ''یہ حضرات میرے جسم وجان میں بسے ہوئے تھے'' اور ان حضرات کو بھی مولانا کی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے خصوصی محبت اور لحاظ تھا'' (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، ص:۴۹)۔

ایک ملفوظ میں خود فرماتے ہیں '' میری نیازمندی کا تعلق اپنے زمانہ کے سب ہی بزرگوں سے رہا اور الحمد للہ سب کی عنایات اور سب کا اعتماد مجھے حاصل رہا'' (ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ، ص:۱۴۳)۔

اے کاش! کہ موجودہ ذمہ دارانِ تبلیغ بھی اگر حضرت جیؒ کے اس ملفوظ کو پیشِ نظر رکھتے تو امت کو ایک بڑے خلفشار سے بچایا جاسکتا تھا، مگر۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ محفل میں علاجِ تنگیِ داماں بھی تھا

تعلیم حضرت تھانوی کی اور طریقہ تبلیغ میرا ہو

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو حضرت تھانویؒ سے دلی محبت تھی، اسی لئے وہ ان کی تعلیم کو عام کرنا چاہتے تھے، ایک موقع پر فرمایا: ''حضرت مولانا

تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو، کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی" (ایضاً ص:۵۸)۔

علماء کے سامنے تواضع وانکساری

مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں: "تواضع کی بات یہ تھی کہ مولانا اپنے کو حقیقتاً کسی عزت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اپنے عالم، شیخ اور اتنی بڑی جماعت کے مقتدیٰ ہونے کا احساس بالکل نہیں تھا، ایک مرتبہ ایک خط میں اس خاکسار کو تحریر فرمایا تھا:" بندۂ ناچیز کے بارے میں جناب مشورہ قبول فرمالیں تو دلی تمنا ہے کہ معمولی نام سے زائد کسی لفظ کا اطلاق الفاظ کی بے قدری ہے"۔

طبیعت کا یہ رنگ ان کے خطوط سے بے تکلف جھلکتا ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ عمر میں چھوٹے، رشتہ میں بھتیجے اور آپ کے شاگرد بھی ہیں، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: "گرامی نامہ موجبِ مسرت وعزت ہو، ا آں عزیز کی تشریف آوری کا بے حد اشتیاق ہے، اگر بقول آپ کے میں حضرت ہوں تو آپ ماشاء اللہ حضرت گر ہیں، مجھ نکمّے اور ناکارہ کو کون پوچھتا اگر آپ کی توجہ اور کرم نہ ہوتا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ (حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ) کے بعد سب سے پہلے آپ ہی نے الطاف واکرام فرمایا، یا پھر شیخ جی (حاجی شیخ رشید احمد) نے اظہارِ تعلق کیا اور یہ سب آپ ہی حضرات کا طفیل ہے، آپ کی تشریف آوری کا جس قدر اشتیاق ہے اسی قدر

خیال ہے کہ سامنے ہونے سے میری گندگیاں اور ظاہر ہوں گی، مگر اسی امید پر جی چاہتا ہے کہ آپ جیسوں کی مجالست اور ہم نشینی سے شاید اپنی بھی کچھ اصلاح ہو جائے" (مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص ۲۲۴۔۲۲۵)۔

حضرت شیخ زکریاؒ اور مولانا عبد اللطیفؒ ناظم مظاہر علوم سے اپنی اور کام کی نگرانی کی استدعا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اور مولانا عبد اللطیف صاحبؒ ناظم مظاہر علوم کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: "عزیزِ محترم حضرت شیخ الحدیث وحضرت المحترم جناب ناظم صاحب دامت برکاتہم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ مزاجِ سامی بعافیت ہوں گے، ایک مضمون جس کا قبل از رمضان مجھے بہت زیادہ اہتمام تھا، اپنی قوتِ بشریہ کے ضعف وضعفِ ایمان کی بنا پر بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا۔

وہ یہ کہ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کام اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ اب اس کی روز افزوں ترقی ومقبولیت کو دیکھ کر میں اپنے نفس سے بالکل مامون نہیں ہوں کہ وہ عجب وکبر میں مبتلا نہ ہو جائے، لہٰذا آپ جیسے اہلِ حق کی نگرانی کا میں سخت محتاج ہوں اور اپنی نگرانی کا آپ حضرات مجھے بروقت محتاج خیال کریں کہ اس میں کی خیر پر مجھے جمنے کی تاکید فرمادیں اور اس میں کی شر سے مجھے جھنجھلاہٹ سے منع کردیں"۔ ۲۲ رمضان سنہ ۶۲ھ ۲۳ ستمبر سنہ ۴۳ء۔

ملحوظہ: حضرت جیؒ کا یہ خط تبلیغ کے ان موجودہ ذمہ داران کے لئے لمحۂ

فکر یہ ہے جو احتسابِ نفس سے غافل ہو کر خود رائی کا شکار ہیں، نہ تو وہ اکابر علماء اور مقتدر اداروں کی اصلاحی کوششوں اور مخلصانہ تنبیہات پر متوجہ ہوتے ہیں اور نہ ہی جماعت کے قدیم کارکنان علماء کے خیر خواہانہ مشوروں پر کان دھرتے ہیں۔

حضرت جیؒ کا شیخ الحدیث صاحبؒ سے دعاء وتوجہ کی درخواست کرنا

حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کے یہاں نیابتِ انبیاء کے اس عظیم الشان اور لطیف ونازک کام کے لئے حق تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت، دعاء وتضرّع اور ذکر کی کثرت روح وقلب کی حیثیت رکھتے تھے، اسی لئے وہ اہل دل علماء ومشائخ سے بڑے ہی اضطرار وبے قراری کے ساتھ دعاؤں کے لئے کہتے تھے، ایک مکتوب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کو تحریر فرماتے ہیں: ''شعبان کے سارے مہینے کے ہر جمعہ کو میوات جانا ہوا، میرے جو خیال میں ایک بات ہے وہ میری قابلیت، میری حیثیت سے اونچی بہت ہے، عمل میں لانا تو درکنار فہم وذکا کی رسائی سے بھی بہت عالی ہے، لیکن بایں ہمہ میری طبیعت اس امر میں کوشش کرنے سے اور اس خیال میں رہنے سے ہٹتی نہیں ہے، اس لئے بوجہ نہایت فوق الطاقت ہونے کے اپنے نہایت اعلیٰ اور نازک اور لطیف اور دین کی اشاعت اور ترقی کا محض واحد مدار ہونے کے باعث آپ جیسوں کی ہمت اور توجہ اور دعاء کا نہایت مستحق ہے، اس لئے اپنی پوری دعوات سے میری مدد فرمانے میں دریغ نہ فرماویں، حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ سے کسی مطلوب کا ملنا عزیز وبعید نہیں ہے، آپ

دعاء وہمت اور توجہ کے ساتھ طلب میں کمی نہ فرماویں، میرے دل کی تمنا ہے کہ کم سے کم میرا دماغ اور خیال اور وقت وقوت اس امر کے سوا ہر چیز سے فارغ رہے، خیر بس زیادہ کیا لکھوں مطلب یہ کہ آپ بھی دعاء سے مدد فرماویں اور یہی سب بزرگوں کے یہاں جہاں تک ہو سکے ان سے دعائیں کرانے اور ہمت کو متوجہ کرنے میں آپ وسیلہ اور شفیع وساعی بنیں''۔

ایک دوسرے گرامی نامہ کے آخر میں حضرت شیخؒ کو لکھتے ہیں: ''میرا مقصد اس تحریر سے یہ ہے کہ آپ جیسے باہمت اہلِ دل اصحاب، موقع کی نزاکت کے بقدر اور حیثیت کے موافق حق تعالیٰ کے جنابِ عالی میں تضرع اور زاری کے ساتھ دست بدعا ہوں، اور دوسرے دوستوں کو کریں، کہ یہ کام اس زمانہ میں ہم جیسوں کی طاقت سے بہت اونچا ہے، چھوڑنا اور بے التفاتی بھی خطرناک ہے اور قدم اٹھانے کا بھی یارا نہیں، اللہ ہی بڑا سہارا ہے''۔

حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کے ان دونوں گرامی ناموں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تبلیغی تحریک کے لئے اہلِ دلیل علماء ومشائخ خانقاہ سے ہمیشہ مربوط ہو کر چلے اور کام کیلئے ان کی دعاؤں اور توجہات کو حاصل کرنے کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہے، جب کہ آج کے ذمہ دارانِ دعوت وامراءِ جماعت حضرت جیؒ کے اس معمول ومنشاء کو پس پشت ڈالے ہوئے ہیں، بلکہ بسا اوقات علماء مدارس اور اہلِ خانقاہ کے بارے میں اپنے بیانات اور تقریروں میں غیر مناسب کلمات کہہ کر علماء

ومشائخ اور عوام الناس کے مابین نفرتوں کی دیواریں کھڑی کرتے ہیں۔

حضرت مدنیؒ سے عقیدت و تعلق

ایک مرتبہ کھتولی میں تبلیغی جلسہ تھا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کھتولی میں پہنچے، دوران جلسہ معلوم ہوا کہ ایک اور جلسہ بھی ہے اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ تشریف لائے ہوئے ہیں، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے فوراً اپنی تقریر کو بند کر دیا اور فرمایا: حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہوئے ہیں، سب صاحبان چل کر ان کی تقریر سنیں، اور اپنے جلسے کو بند کر کے اس مقام پر پہنچے جہاں جلسہ ہو رہا تھا، معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ کو جب اس کا علم ہوا کہ تبلیغی جلسہ ہے اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب تقریر فرما رہے ہیں، تو اپنی تقریر کو ختم کر دیا اور ان لوگوں کو تبلیغی جلسہ میں شرکت کی ہدایت فرما کر دیوبند روانہ ہو گئے، جلسہ نہ یہاں ہوا اور نہ وہاں ہوا، دونوں بزرگ چل بسے مگر آنے والی نسلوں کے لئے اپنے خلوص وللّٰہیت کی ایک مثال قائم کر گئے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو جو قلبی تعلق حضرت مدنیؒ کے ساتھ تھا وہ بھی اپنی نظیر آپ ہی تھا، فرمایا کرتے تھے، اگر یہ تبلیغی کام کی رکاوٹ نہ ہوتی تو حضرت مدنیؒ سے بیعت کر لیتا اور ان کے کام میں شریک ہو جاتا اور اگر کسی وقت کسی وجہ سے یہ تبلیغی کام چھوٹ گیا تو پھر حضرت مدنیؒ کے ساتھ مل کر کام کروں گا (روزنامہ ''الجمعیۃ'' دہلی شیخ الاسلام نمبر، ص:۲۶)۔

تبلیغی کام علماء ومشائخِ خانقاہ کے مشوروں کے ماتحت ہو، حضرت جیؒ کا مکتوب مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام

مکرم محترم الحافظ الحاج مولانا القاری محمد طیب صاحبؒ متّعنا الله بطول حیاتکم الطیّبه و افاض علینا فیوضکم السّرمدیه و اکرمکم الله کما اکرمتمونا بالذات القدسیّه۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت عالی! کوئی کام بغیر کسی اصول اور بِنا کے نہیں چلتا، اس وقت یہ تبلیغ اس قدر عظیم الشان کام ہونے کو پہنچ گیا ہے کہ اس کی تفصیلاتِ ظاہر یہ وباطنیہ، اصولیہ، فروعیہ اس قدر کثیر اور وافر ہیں کہ وہ بیانات وتحریر یا غور کر کے فہم کے احاطہ سے بہت بالاتر ہو چکی، اور جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں یہ تفصیلات بہرِ حال بِناؤں پر چل رہی ہیں، ان بِناءِ امور پر کسی آدمی کو دفعتاً چلانا بہت دشوار ہے، اس لئے میرے نزدیک جو کام چلنے کے لئے اس وقت ضرورت ہے، وہ مشائخِ طریقت وعلماءِ شریعت، ماہرین سیاست کے چند ایسے حضرات کی جماعت کے مشوروں کے ماتحت ہونے کی ضرورت ہے، جو ایک نظم کے ساتھ حسبِ ضرورت مشاورت کا انعقاد خاطر خواہ مداوم رہے اور عملی چیز سب اس کے ماتحت ہو، سوایک تو اوّل ایسی مجلس کے منعقد ہو جانے کی ضرورت ہے، اور دوسرے اس وقت جو امّت محمدیہ کے امراض کہنہ میں سے ہے وہ عملی چیزوں کا بے محل اور بے ضرورت تقریر کی کثرت پر اکتفاء ہے، اور اس کے بالمقابل قول پر عمل بڑھنے کی ضرورت ہے، لہذا

آگے جو تبلیغ میں کوشش کرے وہ اس تبلیغ کے میدان میں نکل چلنے والوں کے ساتھ زندگی گزارے، اس وقت مولانا کی تشریف آوری سے دہلی والوں نے تبلیغ سے وحشت کے بجائے انس کا اثر لیا ہے اور کارِ خیر سے انس پیدا ہوجانے کی ابتداء یہ بہت اچھی علامت ہے، اس لئے اگر جنابِ عالی جملہ مبلغین کو میوات پہنچادیں اور کم سے کم مولوی عبدالجبار کو پہنچائیں تو امرِ ثانی کے لئے معین ومُمدِ معلوم ہوتا ہے'' (ارشادات ومکتوبات، ص:۱۴۵)۔

حضرت جیؒ نے مذکورہ بالا مکتوب میں تبلیغی نقل وحرکت حضراتِ علماء ومشائخِ خانقاہ کے مشوروں کے ماتحت ہونے پر زور دیا ہے، علاوہ ازیں اس مکتوب سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت جیؒ نے دارالعلوم اور وہاں کے اربابِ اہتمام سے مسلسل، مضبوط اور گہرا ربط رکھا ہے، مگر راقم الحروف یہاں یہ عرض کردینا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ دارالعلوم ومظاہرعلوم کے اربابِ حلّ وعقد سے حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا یہ ربط وتعلق یک طرفہ نہ تھا، بلکہ دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ نہ صرف یہ کہ تبلیغی اجتماعات میں بڑے اہتمام سے شریک ہوتے بلکہ مرکز نظام الدین دہلی کے ذمہ داران کو خط لکھ کر اجتماعات میں شرکت کی خواہش کرتے اور دارالعلوم جماعتیں بھیجنے کی فرمائش کرتے تھے، شہر سہارنپور کے تبلیغی اجتماع میں ان کا چھ نمبروں پر کیا ہوا خطاب اپنی تفصیل، تحقیق اور جامعیت کے حوالہ سے لاثانی اور تاریخی شمار ہوتا

ہے۔ دوسری طرف مظاہر علوم میں ریحانۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو مربیِ تبلیغ شمار کیا جاتا ہے، نظام الدین مرکز کا شاید ہی کوئی اہم مشورہ حضرت کی عملی یا تحریری شرکت سے خالی رہا ہو، علاوہ ازیں حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم مظاہر علوم بھی ذمہ دارانِ مرکز سے مسلسل خط وکتابت رکھتے اور موقع بموقع تبلیغی اجتماعات میں حصہ لیتے تھے، اور مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور کی حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ متعدد تبلیغی اسفار میں رفاقت، وقتاً فوقتاً تبلیغی اجتماعات میں شرکت، نظام الدین میں مسلسل آمد ورفت اور حضرت جیؒ کی وفات کے بعد مرکز وذمہ دارانِ مرکز سے گہرے وقلبی مراسم، تبلیغی تحریک کی دستاویز میں اہم اجزاء شمار ہوتے ہیں۔

حضرت جیؒ عوام کو علماء کے قریب لائے

حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے تبلیغی تحریک کے ذریعہ نہایت حکمتِ عملی کے ساتھ عرصۂ دراز سے طبقۂ علماء سے متوحش ہو چکے، عوام کو علماء سے قریب کیا، وہ بڑے ہی ادب واحترام سے حضرات علماء کو عوام الناس کے درمیان منعقدہ تبلیغی اجتماعات وبیانات میں لے جایا کرتے اور ان کی تقاریر وخطابات کرایا کرتے تھے، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ رقم طراز ہیں:

''مولانا (محمد الیاس صاحبؒ) ایک طرف علماء کو عوام سے اس دعوت کے ذریعہ

قریب ہونے کی اور ان کا درد اپنے دل میں پیدا کرنے کی تاکید فرماتے تھے، دوسری طرف عوام کو علماء کی مرتبہ شناسی، قدر دانی اور ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے، ان کو بتاکید اصول کے مطابق علماء کی خدمت میں حاضر ہونے کی فہمائش کرتے تھے، ان کی ملاقات اور زیارت کا ثواب بیان فرماتے تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے آداب واصول سمجھاتے تھے، ان کو دعوت دینے اور ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو مشغول کرنے کا طریقہ بتاتے تھے، ان کی جو باتیں سمجھ میں نہ آئیں ان کی تاویل اور ان کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے کی عادت ڈالتے، ان کو ان کی خدمت میں بھیجتے تھے، اور پھر ان سے پوچھتے تھے کہ کس طرح گئے اور کیا باتیں ہوئیں؟ پھر ان کی تنقیدوں اور تاثرات کی اصلاح وتصحیح فرماتے تھے، اس طرح علماء، عوام، تجار اور کاروباری لوگوں کو علماء سے اتنا قریب کر دیا کہ پچھلے برسوں میں (غالباً تحریکِ خلافت کے بعد) کبھی اتنے قریب نہیں ہوئے" (مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ، ص: ۱۴۰۔۱۴۱ ، طبع یحیوی سہارنپور)۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے یہاں علم واہلِ علم اور مدارس کی اہمیت وافادیت

جیسا کہ ہم گذشتہ سطور میں بھی عرض کر چکے کہ اکابر تبلیغ مکاتب ومدارس ہی کے فیض یافتہ اور سند یافتہ تھے، حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ آپ کے جانشین ہوئے، جنہوں نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف سے اپنا رشتہ ہمیشہ استوار

رکھا اور اکابر علماء دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور سے مربوط ہو کر چلے۔

ابتدائی تعلیم

محض سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا، اور قاری معین الدین صاحبؒ سے تجوید وقراءت کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں گیارہ سال کی عمر میں مدرسہ کاشف العلوم (بستی نظام الدین) میں عربی شروع کی اور میزان الصرف، منشعب اور صرف میر اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پڑھی، اس وقت آپ کے درسی ساتھیوں میں قاری سید رضا حسن مرحوم، مولانا محمد ادریس انصاری وغیرہ تھے، پھر پنج گنج دوسرے استاذ سے پڑھی، پنج گنج کے بعد پھر خود حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے نحو میر پڑھائی، اس کے بعد قصیدۂ بردہ، قصیدۂ بانت سعاد اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی چہل حدیث حفظ کرائی، مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ابتدائی تعلیم میں حافظ منیر الدین صاحب نے بھی حصہ لیا اور متعدد کتابیں پڑھائیں، فقہ کی کتابیں کنز الدقائق تک مولانا مقبول حسن گنگوہیؒ سے پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ مظاہر علوم میں قیام

مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ رقمطراز ہیں: ۱۳۵۱ھ میں حضرت مولانا (الیاس صاحبؒ) سفرِ حج پر تشریف لے جانے لگے تو محمد یوسف کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل کردیا، وہاں اس سال آپ نے ہدایہ اولین اور میبذی

وغیرہ پڑھیں، حضرت مولانا کی حج سے واپسی کے کچھ مدت بعد مولانا محمد یوسف صاحب پھر بستی نظام الدین آگئے اور آگے کی کتابیں مشکوٰۃ، جلالین وغیرہ وہیں پڑھیں، ایک سال کے بعد ۱۳۵۲ھ میں پھر دوبارہ مدرسہ مظاہر علوم میں آکر صحاحِ اربعہ پڑھیں، صحیح بخاری شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے اور ترمذی شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ سے۔

زمانۂ طالب علمی میں محنت کا ایک نمونہ

مظاہر علوم میں دورانِ تعلیم مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ بھی آپ کے رفیقِ درس تھے، فرماتے ہیں کہ: ہم دونوں نے یہ طے کرلیا تھا کہ رات کے ابتدائی حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا، اور آدھی رات ہوجانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اس کے ساتھ چائے پی کر سوجائے گا، اور اس دوسرے کے ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لئے سونے والے ساتھی کو اٹھائے، ایک دن حضرت مولانا مرحوم شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا، اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی (مستفاد: حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ امیر جماعتِ تبلیغ، ص:۱۳۰۔۱۴)۔

دو علمی یادگاریں

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کا علمی پایہ کتنا بلند تھا اس کا اندازہ ان کی تصانیف سے لگایا جاسکتا ہے، تبلیغی اسفار اور اجتماعات کی گونا گوں

مصروفیات کے باوصف حضرت مولاناؒ نے دو گراں قدر کتابیں تصنیف کیں، فن حدیث میں ''طحاوی شریف'' کی شرح ''امانی الاحبار شرح معانی الآثار'' اور ''فن سیرت میں ''حیات الصحابہ'' تحریر فرمائی۔

۱) **امانی الاحبار شرح معانی الآثار**: مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوریؒ مفتی دارالعلوم دیوبند اس کتاب کے متعلق اپنے تاثرات ومشاہدات اس طرح بیان فرماتے ہیں ''حضرت جی اس کتاب کی شرح کو مختلف اوقات میں لکھتے تھے، مغرب کی نماز کے بعد نوافل سے فارغ ہوکر اپنے کتب خانہ میں بیٹھ جاتے اور کتابیں اتارنے کے لئے دو تین طلبہ کو اپنے پاس بٹھا لیتے تھے، ایک دفعہ مغرب کے بعد پہونچنے کا اتفاق ہوا تو اوپر بلالیا، کیا دیکھتا ہوں کہ چاروں طرف کتابیں کھلی ہوئی رکھی ہیں اور حضرت جی باری باری سے ان کا مطالعہ کرر ہے ہیں، خود ہی ارشاد فرمایا ''یہ امانی الاحبار کی تیاری کرر ہا ہوں''۔

میری ناقص رائے میں حضرت جیؒ کی یہ کتاب فن حدیث میں اسلاف کے طرز پر نہایت عمدہ اور غیر فانی شاہ کار ہے، جب زمانۂ مستقبل کا مؤرخ اور محدث اس کتاب کو دیکھے گا، اس کو فن حدیث میں حضرت جیؒ کی جلالتِ علمی کا نہ صرف اعتراف کرنا پڑے گا بلکہ اس کو معتقد ہونا پڑے گا۔

پہلی جلد کے شروع میں طحاوی کے اسماء الرجال کی فہرست اور قریباً چالیس صفحہ کا مقدمہ فن حدیث میں مولانا کے علمی مقام کا اندازہ کرنے کے

لئے کافی ہے (تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف رص:۸۹)۔

کتاب کا یہ نام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا منتخب کردہ ہے۔

۲) **حیات الصحابہ**: یہ کتاب حضراتِ صحابہؓ کے احوال وسیر پر مشتمل ایک مکمل دستاویز ہے، جس میں صحابۂ کرام کی زندگی کے عملی گوشوں کو داعیانہ طرز میں پیش کیا گیا ہے، کتاب اشاعت کے بعد بڑی تیزی سے مقبول ہوئی، اہل علم اور اربابِ قرطاس وقلم نے اس کو اپنی تحقیق ومراجعت کا مرکز بنایا۔

حضرت مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ کتاب کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''حیات الصحابہ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کتنے وسیع المطالعہ اور ان کی کتب حدیث ورجال پر اور صحابۂ کرامؓ کے احوال واقعات کے ہر ہر گوشہ پر کتنی نظر تھی، اس تصنیف میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صرف علمی تحقیقات یا ریسرچ کا کام نہیں ہے کہ ان لوگوں کی تشفی کا باعث بنے، جو خالص علمی ذہن ودماغ رکھتے ہیں، بلکہ اس میں داعیانہ طرزِ فکر غالب نظر آتا ہے، جس سے دونوں طبقوں کو یکساں فائدہ پہونچا ہے، یہ ایک طرف علمی ذخیرہ ہے، دوسری طرف صحابہ کی داعیانہ زندگی اور کردار واخلاق وسوانح کا نہایت مؤثر مجموعہ ہے'' (سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی)۔

اکابر علماء سے عقیدت ومحبت

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ بھی حضراتِ علماء واکابر کی تئیں بے حد عقیدت واحترام رکھتے تھے، مولانا نسیم احمد فریدی امروہویؒ اپنے ایک مضمون میں حضرت جیؒ کی خصوصیات تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ''اپنے اکابر کے ساتھ والہانہ اور خادمانہ انداز رکھتے تھے، بالخصوص شیخ الاسلامؒ اور حضرت اقدس رائے پوریؒ سے انتہائی عقیدت ومحبت تھی، ان دونوں بزرگوں کی جدائی سے مولانا کو جو صدمہ ہوا تھا اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا، اللہ تعالیٰ سلامت رکھے حضرت شیخ مدظلہ کو، ان سے قریبی رشتہ داری کے علاوہ جو قلبی اور روحانی تعلق تھا اس کی نظیر موجودہ زمانہ میں مشکل سے ملتی ہے، آج کے دور میں بزرگوں کے ساتھ یہ محبت، یہ سعادت مندی، یہ خلوص اور یہ جذبۂ تعظیم وتکریم بہت کم دیکھنے میں آتا ہے (تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص:۷۴)۔

حضرت مدنیؒ کی وفات دنیا سے بڑی خیر کا اٹھ جانا ہے

صاحب نسبت اکابر کا احترام اور ان کی قدر وقیمت حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے دل میں کس قدر تھی اس کا اندازہ مفتی عزیز الرحمان بجنوریؒ کے اس بیان سے ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد نظام الدین حاضری کا اتفاق ہوا، سردی کے دن تھے، حضرت جی (مولانا یوسفؒ) چبوترہ پر دھوپ میں بالکل بجھے ہوئے بیٹھے تھے، مصافحہ کے

بعد ٹھنڈی سانس بھر کر فرمانے لگے ''حضرت مدنیؒ کا انتقال ہوگیا، دنیا سے بڑی خیر اٹھ گئی، اتنی بڑی خیر، اگر ہم سب لوگوں کی خیر ایک جگہ جمع کر لی جائے تب بھی اس خیر کے مقابلہ میں کچھ نہیں، مجھے معتبر آدمی کی زبانی معلوم ہوا کہ پورے دوسال تک برابر لوگوں کو تاکید کرتے رہے، دیکھو! اپنے اس چلہ کا ثواب حضرت مدنیؒ کی روح کو پہونچانا، بلکہ ان کے ایصالِ ثواب کی یہیں سے نیت کر کے چلو'' (سوانح حضرت جی، حضرت مولانا محمد یوسفؒ، ص:۸۲)۔

علماء کی خدمت میں حاضری کو عبادت سمجھیں

حضرت مولانا یوسف صاحبؒ علماء و مشائخ کی خدمت میں حاضری کو عبادت کے مترادف قرار دیتے تھے، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: ''علماء کی خدمت میں حاضری دی جائے، اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے'' (تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، ص:۹۵)۔

حضرت جیؒ کی اس تحریر کی روشنی میں وہ ذمہ دارانِ تبلیغ اور امراء جماعت ہوش کے ناخن لیں جو نہ تو خود علماء سے مربوط رہتے ہیں بلکہ عوام الناس کو بھی حضرات علماء اور ان کی دینی و تعلیمی خدمات سے متنفر کرتے ہیں۔

ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں

ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب بجنوریؒ نے حضرت جیؒ مولانا محمد یوسفؒ سے اپنی درسی مصروفیات کی شکایت کی، اور عرض کیا کہ میں پڑھانے سے اس قدر تھک گیا ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ تھوڑے دنوں

کے لئے کوئی آدمی مل جائے تو درسی ذمہ داری اس کے سپرد کر کے کچھ دن تبلیغ میں لگادوں، تو حضرت جیؒ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں، تبلیغ سے پہلے بھی یہی کام کرنا ہے اور تبلیغ کے بعد بھی یہی کام کرنا ہے، لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم مدرسوں کے مخالف ہیں حالانکہ یہ غلط ہے، ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں اور حد یہ ہے کہ ہم خود پڑھاتے ہیں، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پڑھانے کے کام کے ساتھ تبلیغ کو بھی لگائے رکھو'' (ملفوظات واقتباسات/ص:۱۲۔۱۳)۔

ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو التحیات یاد کرانے پر لگادیں

ایک دفعہ علماء کے تعلیمی حلقے کے ختم پر فرمایا، جس میں حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ بھی موجود تھے، کہ ''ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو التحیات یاد کرانے پر لگادیں، مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ التحیات یاد کرانے کی بخاری پڑھانے والوں کے نزدیک بھی انتہائی اہمیت ہو، اس لئے کہ یہ بھی حضور ﷺ کے علوم میں سے ایک علم ہے، اسے غیر اہم سمجھنے والا کہیں کا نہ رہے گا، اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تعلیم کا یہ درجہ بھی ماہرین بخاری کی نگرانی میں ہو'' (تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ/ص:۵۳)۔

علماء کے ذمہ دین کے دوسرے کام بھی ہیں

فرمایا: کام کی اہمیت جن لوگوں کے ذہن میں آجاتی ہے اور کام کی نوعیت جن کے ذہن میں آجاتی ہے وہ اس کام میں شامل ہوجاتا ہے، اس میں علماء بھی ہیں اور عوام بھی ہیں، اور علماء کے ذمہ دوسرے دین کے کام بھی ہیں، اس لئے اس میں کم شرکت کرپاتے ہیں (مکتوبات اکابر تبلیغ/ص:۱۵۵)۔

مدارس اور خانقاہوں میں دعاء کی درخواست کا اہتمام کیا جائے

پنجاب کے شہر لدھیانہ سے جماعت کی کارگزاری سے متعلق ایک خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''کل ۱۰ ر مارچ شنبہ کو کارگزاری لدھیانہ سے مطلع فرما کر مسرور فرمایا، آپ ایسے کام کے لئے نکلے ہوئے ہیں جس کے اندر اسلام کی سرسبزی ہے اور بڑے خیر کی توقعات ہیں، اس لئے آپ کے لئے ہر چیز دعا گو ہے، میں نے عرض کیا تھا کہ خانقاہوں اور علمی مراکز میں اپنے کام کی بہت مختصر سی کیفیت کے بعد دعا کی درخواست خط کے ذریعہ کرتے رہئے، اس کا ضرور اہتمام کیا جائے'' (تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص:۱۰۹)۔

اکابر علماء کا اعزاز و اکرام

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے خادم اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک دن ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابوداؤد شریف کا سبق پڑھنے کیلئے حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحبؒ) کے کتب خانہ میں جارہے تھے کہ خبر ملی کہ مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی خلیفہ حضرت تھانویؒ تشریف لارہے ہیں، ہم لوگوں کا پڑھنا ملتوی ہوگیا، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ تشریف لے آئے...... حضرت مولانا نے حجرے سے باہر آکر استقبال فرمایا اور حجرہ میں بیٹھ گئے، تھوڑی دیر گفتگو کے بعد حضرت مولانا اپنے کتب خانہ سے اپنی تصانیف ''امانی الاحبار'' اور ''حیات الصحابہ'' لائے، اور خدمت میں پیش فرمائیں،

موصوف دیکھتے جاتے تھے اور حضرت کی قربانی ور بلند عزمی کا اظہار کرتے جاتے تھے (سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ)۔

ہم اکابر علماء کے ہر وقت محتاج ہیں

حضرت شیخ رقم طراز ہیں: مولانا الحاج محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح میں لکھا ہے کہ مولانا کی نگاہ میں علماء دین کی سب سے زیادہ قدر تھی، آج جس طرح علماء کی ناقدری، ان پر بیجا تنقید کا رواج پیدا ہو گیا ہے، مولانا اس کو دین کے لئے بڑا مہلک سمجھتے تھے اور نا قدری کرنے والوں کی محرومی کا باعث جانتے تھے، اپنے ایک رفیق کو تحریر کرتے ہیں: ''دیکھئے خوب سمجھ لیجئے! ہم اکابر علماء کے ہر وقت محتاج ہیں، ان کے بغیر چارۂ کار نہیں، ان کے دامن کے ساتھ وابستگی ہماری سعادت ہے، یہ حضرات بہت سی خوبیوں اور علومِ نبویہ کے انوارات کے حامل ہیں، ان کی قدردانی علومِ نبوت کی قدردانی ہے، جس قدر ہم ان کی قدر و خدمت کریں گے اور ان کی خدمت میں حاضری کو بڑی عبادت سمجھ کر ان کے ارشادات و نصائح سے مستفید ہوتے ہوئے ان سے مفید مشورے حاصل کرتے رہیں گے اسی قدر علومِ نبویہ کے انوارات سے منوّر ہوتے رہیں گے (جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات، ص:۲۵)۔

نسبتوں کا احترام

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ''سلہٹ'' تشریف آوری کی کارگذاری کا ذکر کرنے کے بعد مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوریؒ لکھتے ہیں: کہ یہاں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کا برسوں قیام رہا، اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اس قسم کی نسبتوں کا بہت زیادہ خیال کیا کرتے تھے، جس مقام کو بزرگوں سے نسبت ہوتی وہاں کے اجتماع باوجود کام نہ ہونے کے خصوصی توجہ کے ساتھ مقرر فرماتے، چنانچہ انبہٹہ (ضلع سہارنپور) کا اجتماع حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ (محدث انبہٹوی) کی وجہ سے طے فرمایا، سلہٹ کے اجتماع میں حضرت مدنیؒ کے کافی خلفا شریک ہوئے، آپ نے ان کا بہت زیادہ اکرام فرمایا اور مشوروں میں شریک رکھا، اور احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کام کی طرف توجہ دلائی (سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ)۔

دیوبند، سہارنپور جماعتیں بھیجنے کی وجہ

فرمایا: میں جو دیوبند، سہارنپور جماعتیں بھیجتا ہوں، اس لئے نہیں کہ علماء کو تبلیغ کی جائے، ان کو دعوت دی جائے، میں تو اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ آج عوام علماء سے دور ہوتے جارہے ہیں یہ ان سے قریب ہوجائیں، اسی میں ان کا فائدہ ہے (ملفوظات واقتباسات رص:۱۱۴)۔

حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسنؒ کے یہاں علم واہلِ علم کی اہمیت وافادیت

تبلیغ کے حضرت جی ثالث حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ بھی

مدرسہ ہی کے خوشہ چیں اور فیض یافتہ تھے، مظاہر علوم میں بخاری شریف حضرت شیخؒ سے پڑھی اور ابن ماجہ، نسائی وغیرہ بعض کتب مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی علالت کی وجہ سے ان کی معیت میں نظام الدین آ کر حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ سے پڑھی۔ آپ نے مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین دہلی، اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے اکتسابِ فیض کیا ہے، طالبِ علمی کا زمانہ بڑی جانفشانی اور جد و جہد کے ساتھ گذارا، خود فرماتے ہیں: ''طالبِ علمی کے دور میں دو، دو یوم گذر جاتے تھے کہ نیند نہیں آتی تھی، اس وجہ سے کہ تعلیم کی فکر تھی، ہمارے درجہ کے ساتھی جب سوتے تھے، تو ہمیں ہنسی آتی تھی کہ بے فکر ہو کر سو رہے ہیں''۔

علمی مقام

آپ کے علمی مقام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنی شروحاتِ حدیث لامع، کوکب اور اوجز المسالک تحریر فرمانے کے زمانہ میں آپ سے بکثرت مراجعت اور احادیث کے حوالہ جات وغیرہ معلوم فرماتے رہتے تھے، سہارنپور تشریف آوری پر اپنی تصانیف کا مسودہ بھی گاہ بگاہ یہ کہہ کر آپ کے حوالہ فرمادیتے کہ ''لو مولوی انعام ان کو بھی دیکھ لینا'' ایک مرتبہ لامع الدراری کی تالیف کے زمانہ میں آپ کی سہارنپور آمد پر حضرت شیخؒ نے مولانا محمد عاقل صاحب (حال شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

متّعنا الله بطول حياته) کومخاطب کر کے فرمایا کہ: ’’وہ جو اشکالات ہیں مولوی انعام صاحب سے پوچھ لینا‘‘ مولانا محمد عاقل صاحب حضرت مولانا کو حضرت شیخ کے دارالتصنیف میں لے جانے لگے تو چلتے چلتے دریافت فرمایا کہ بتاؤ تو سہی وہ کیا اشکالات ہیں؟ انہوں نے بیان کیے، تو حضرت مولانا نے راستہ ہی میں ان تمام اشکالات کا دفعیہ فرما دیا‘‘ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن رص:۱۹۶رج:۱)۔

’’لامع الدراری‘‘ کی تالیف کے موقع پر عبدالغنی بن رفاعہ اور ابن عقیل کی تحقیق کی ضرورت پیش آئی کہ آیا یہ دو اصحاب الگ الگ ہیں یا ایک ہی شخص کے دو نام ہیں، حضرت شیخ کے دریافت کرنے پر آپ نے جواباً تحریر فرمایا کہ: ’’عجلت میں جو کچھ ذہن میں آیا اور دیکھا جاسکا وہ یہ ہے کہ، عبدالغنی بن رفاعہ ہی ابن عقیل سے مراد ہیں، کیونکہ حافظ نے ’’تہذیب‘‘ میں سنن کے راوی کی علامت ان ہی پر دی ہے، احمد پر نہیں دی، دوم یہ کہ ’’بذل‘‘ کی پانچویں جلد میں رص:۱۴۲ر پر خود ابوداؤد کی سند میں عبدالغنی بن ابی عقیل کی تصریح ہے، اس لئے بظاہر ذہن میں یہی متعین ہیں، طحاوی میں ابن عقیل کی تعیین بھی عبدالغنی ہی سے کی گئی ہے، کیونکہ حافظ نے عبدالغنی ہی کو مشائخ طحاوی میں ذکر کیا ہے، احمد کو نہیں کیا، اور طحاویؒ نے ہر دو جلد میں تقریباً سولہ روایتیں ابن ابی عقیل سے ذکر کی ہیں، جس میں دس روایتوں میں عبدالغنی کی تصریح ہے اور چھ روایتیں ابن ابی عقیل کے لفظ سے ہیں‘‘ (ایضاً رص:۱۹۸)۔

مذکورہ بالا تحریر سے مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے رسوخ فی العلم، اسماء الرجال پر دقّتِ نظر اور فنِ حدیث پر عبور کے ساتھ ساتھ وسعتِ مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا عبدالرحمان صاحب (پاکستان) راوی ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت مولانا کے پاس بیٹھا ہوا تھا، علمی بحث چل پڑی، موضوعِ گفتگو فن معانی کی مشہور ودقیق کتاب ''مختصر المعانی'' تھی، بحث میں حصہ لیتے ہوئے میں نے کہا کہ ''جی حافظ کا یہ مذہب ہے'' فرمایا: نہیں اس کے برعکس ہے، جب میں نے اپنی بات پر اصرار کیا تو مولانا ''مختصر المعانی'' اٹھا کر لائے اور کتاب کھول کر میرے سامنے رکھدی، دیکھا تو وہی بات نکلی جو مولانا فرما رہے تھے۔

اندازِ تدریس

آپ کے درس دینے کا انداز یہ تھا کہ پہلے طلبہ سے عبارت پڑھوا کر ان ہی سے اس کا ترجمہ کراتے، ترجمہ میں کوئی غلطی ہوتی تو اس کو درست فرما کر پھر تقریر کرتے، متنِ کتاب کے حل پر زیادہ توجہ فرماتے تھے، ہدایہ اولین جس سال آپ کے یہاں پہلی مرتبہ آئی تو مولانا عبداللہ صاحب سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ ہدایہ کو ہدایہ کے طرز پر پڑھاؤں اور ائمہ اربعہ کے اقوال پوری تحقیق اور وضاحت کے ساتھ بیان کروں، مگر طلبہ کی علمی استعداد کو دیکھ کر یہ خیال ترک کرنا پڑا (سوانح مولانا محمد انعام الحسنؒ)۔

حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحبؒ کا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ کو دیکھ کر استقبال کے لئے کھڑے ہونا

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ فقہ وفتاویٰ کی عظیم شخصیت گذری ہے، آپ کو دارالعلوم ومظاہر علوم کے صدر مفتی ہونے کا شرف حاصل رہا ہے، ان کی مرکز نظام الدین آمد کا ایک واقعہ قطب الدین ملاّ صاحب ارقام فرماتے ہیں: ''عصر بعد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی مسجد کی عمارت کے پیچھے کی طرف مجلس لگتی تھی، مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ وغیرہ بھی موجود رہتے تھے، ایک موقع پر احقر راقم الحروف بھی اس مجلس میں موجود تھا، اچانک مولانا محمد بن سلمان جھانجھی نے آواز دی کہ ''مفتی (محمود حسن) صاحب تشریف لارہے ہیں'' اتنا سنتے ہی حضرت جیؒ ایسے چوکنا ہوگئے جیسے کسی بڑے کے آنے کی اطلاع کے بعد بچہ چوکنا ہوجاتا ہے، کھڑے ہوکر مفتی صاحب کا استقبال کیا، بڑے اشتیاق سے گلے لگایا اور دونوں ساتھ ساتھ مسہری پر بیٹھ گئے، بڑا عجیب منظر تھا، دو صاحب نسبت بزرگ بیٹھے ہیں اور پورا مجمع ذکر میں مصروف ہے، پورے مجمع پر ایک عجیب سکینت کا عالم طاری تھا (تزکیہ واحسان اور اکابر تبلیغ، ص:۱۰۱)۔

کاش کہ اکابر علماء اور ارباب درس وافتاء کی یہ قدر دانی موجودہ ذمہ داران کو بھی نصیب ہوجاتی۔

مدرسہ دارالعلوم نیپانی، بیلگام کرناٹک کا سنگِ بنیاد

جماعت کے اہم رکن اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی مجالس کے ہم نشین رہے جناب قطب الدین ملاّ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ہمارے قریب نیپانی ضلع بیلگام میں ''دارالعلوم نیپانی'' کا سنگِ بنیاد خود حضرت جی مولانا محمد انعام الحسنؒ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا تھا، اور حضرت مولانا محمد یونس پونویؒ اس کے روح رواں تھے اور اب بھی اس کے چلانے والے سارے کے سارے وہ احباب ہیں جن کا گہرا تعلق دعوت وتبلیغ کی محنت سے ہے (تزکیہ واحسان اور اکابرِ تبلیغ / ص:۱۲)۔

دین کی محنت سے مدارس ومکاتب بڑھیں گے

فرمایا: جب اللہ کے دین کی محنت ہوتی ہے تو اللہ دین کے تمام شعبوں کو وجود میں لاتا ہے، مدرسے بڑھیں گے، مکتب بڑھیں گے، حالانکہ ہم مدرسہ بنانے کی دعوت نہیں دے رہے ہیں، لیکن اس عمل کے ذریعہ تمام شعبوں کو زندگی مل رہی ہے، دین کی محنت ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمام شعائر اسلام کو زندہ فرمائیں گے (ملفوظات حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ / ص:۲۷)۔

صرف دعوت کا کام کرنا اور باقی شعبوں کو نظر انداز کرنا غلط ہے

فرمایا: اخلاق اسے کہتے ہیں کہ ہمارے سے دوسروں کو نفع پہنچ رہا ہو، ہم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، زندگی کا ہر شعبہ آج بگڑا ہوا ہے، دعوت والے بھی

اس ہوا میں بہہ جاتے ہیں، ہم کسی سے مصافحہ کرتے ہیں گناہ معاف ہوجاتے ہیں، ہم کسی سے ہنس کر بولتے ہیں ثواب ملتا ہے، ہر ایک معاملہ میں ہر ایک کے حقوق ادا کرتے ہوئے دعوت کا کام کریں، ورنہ صرف دعوت، دعوت کا کام کریں اور سب شعبوں کو نظر انداز کردیں یہ غلط ہے (بھوپال اجتماع ۲۷ر دسمبر ۱۹۹۳ء)۔

دین کے دوسرے کاموں کو ہلکا نہ سمجھیں

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ دین کے تمام شعبوں کے قدرداں تھے، خواہ تعلیم وتدریس ہو یا تزکیہ وسلوک، وہ دین کے دیگر شعبوں کی تخفیف، یا ان میں کام کرنے والوں کی تنقیص وتنقید کو دعوت کے استخلاص کے خلاف سمجھتے تھے، ایک موقع پر فرماتے ہیں: ''استخلاص کسے کہیں گے؟ ایک کام دعوت کا ہمارے پاس ہے وہی کریں گے، دوسرا کوئی کام نہیں کریں گے، لیکن دوسرے جو دین کے کام ہورہے ہیں ہم ان کو ہلکا نہیں سمجھیں گے، نہ ان کے کرنے والوں پر تنقید کریں گے اور نہ ان کی تنقیص کریں گے'' (ملفوظات حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ ص:۴۸)۔

نیز فرمایا: ہم دین کا کام اس طرح کریں کہ دوسرے بھائیوں کا اکرام واحترام باقی رہے (ایضاً)۔

کام کرنے والوں میں تین چیزیں ہونا ضروری ہیں

فرمایا: تین چیزیں کام کرنے والوں میں ضرری ہیں: (۱) اجتماعِ قلوب: یہ صرف تقریروں اور مشوروں سے نہیں آئے گا، بلکہ اس کے لئے

دوسروں میں خوبیاں تلاش کریں اور اپنے میں برائیاں تلاش کریں، دوسروں کو تنقید کا نشانہ بنانا فتنہ کا دروازہ ہے (۲) اتحادِ فکر (۳) نہجِ صحیح (ملفوظات رص:۴۰)۔

بیلگام (ریاست کرناٹک) کے اجتماع ۱۹۹۴ء کے موقع پر فرمایا:
''ہماری مصیبت یہ ہوگئی ہے کہ ہم دوسروں کی اصلاح میں تو برابر لگے ہوئے ہیں، مگر اپنی اصلاح کی فکر میں کمی ہورہی ہے (ایضاً رص:۳۹)۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا: اگر تمہارے اندر نیت صرف دوسروں کی اصلاح کی ہوگی تو اپنی اصلاح سے غافل ہو جاؤ گے، پھر چاہے کام زیادہ ہوتا ہوا نظر آئے لیکن کام میں جان نہیں ہوگی، کام میں جان آتی ہے کام کرنے والے کی تواضع سے، اپنے آپ کو محتاج سمجھنے سے (امریکہ والوں کی آمد پر ۲۵ ر اکتوبر ۱۹۹۰ء)۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور دعوت وتبلیغ

حضرت شیخ دعوت وتبلیغ کا مرجع اور پشتیباں تھے

گذشتہ ذمہ دارانِ تبلیغ وقت کے علماء ومشائخ سے ہمیشہ مربوط ہو کر چلتے تھے اور ان کی طے کردہ ہدایات اور خیر خواہانہ اصلاحات کو دل وجان سے قبول کرتے تھے اور اکابر علماء کی دعاؤں اور توجہات کے طلب گار رہتے تھے، اس حوالہ سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذاتِ گرامی سر فہرست تھی، جو ہر نشیب وفراز میں اکابر تبلیغ کے لئے مرجع اور ہر سرد وگرم حالات میں پشتیباں کی حیثیت رکھتے تھے، علاوہ ازیں اگر جماعت کے ذمہ داران اور

کارکنان میں کوئی غلط بات نظر آجاتی تو اصلاح اور نکیر سے بھی نہیں چوکتے تھے، خود فرماتے ہیں: ’’میں بھی تبلیغی جماعت اور کارکنوں کی کوتاہیوں پر تنبیہات کرتا رہتا ہوں، بلکہ اپنی حماقت سے چچاجان (حضرت مولانا محمد الیاسؒ) کے دور میں ان پر بھی تنقید سے نہیں چوکتا تھا، اوران کے بعد عزیزانم مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا انعام الحسنؒ کے دور میں نہ ان محترم عزیزوں پر بلکہ قدیم جدید کارکنوں پر نکیر کرتا رہتا ہوں، تحریراً بھی تقریراً بھی (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ، ص:۱)۔

حضرت شیخ کی ہدایت میں علماء کے احترام اور اہل علم کی نگرانی میں کام لے کر چلنے کی تاکید

ایک زمانہ میں جب جماعت سے منسلک کچھ نئے احباب کی طرف سے بے اصولیاں سامنے آئیں تو حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے باہمی مشورہ سے چند ضروری ہدایات مرتب کرائیں، جن کو نظام الدین کی مسجد میں آویزاں کرایا گیا اور ان کی نقول ملک و بیرون ملک کے تبلیغی مراکز کو ارسال کی گئیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری ہدایات

تبلیغ میں جانے والے حضرات کو خاص طور سے ان امور کی رعایت رکھنی چاہئے ورنہ منافع سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

۱) ہر کلمہ گو اور علم والے کا دل سے اکرام واحترام کریں اور اس کی مشق کریں۔

۲) دوسرے کے عیوب سے اپنی آنکھیں بند کریں اور اپنے عیوب تلاش کرتے رہیں۔

۳) بیان اور تعلیمی حلقوں اور مجلسوں میں کسی طبقہ، جماعت یا فرد پر نکیر یا طنز نہ کریں، جو لوگ جماعت میں وقت نہ لگا سکیں ان کی بھی تنقیص نہ کریں۔

۴) ہر علاقہ کے بزرگانِ دین، علماء اور مشائخ سے استفادہ اور دعا کی نیت سے ملیں اور ہر ایک سے تعلق والوں سے اکرام ومحبت کے ساتھ مل کر کام کریں، کسی پر تنقید نہ کریں۔

اہلِ علم کی نگرانی سے ہی اعتدال باقی رہ سکتا ہے

ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں: تبلیغی اجتماعات میں اہلِ علم کی شرکت نہایت ضروری ہے کہ اعتدال ان کی شرکت اور نگرانی سے ہی ہوسکتا ہے، اس لئے مخلص علماء کی شرکت کا اہتمام کیا کریں، البتہ معاند علماء کی شرکت سے حتی الوسع اجتماع کو بچائیں کہ جن کا مقصود محض اعتراض ہو، کہ اعتراض

برائے اعتراض کا جواب کسی کے پاس نہیں، جماعتِ تبلیغ میں اکثر شرکت ایسے آدمیوں کی ہوتی ہے جو دین سے بے بہرہ ہوتے ہیں، ان پر نکیر اور ان کی اصلاح خود اہلِ تبلیغ کے ذمہ ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے معتمد علماء کو خاص طور سے ادھر متوجہ کیا کریں، تاکہ وہ تبلیغی لوگوں کی نگرانی بھی کریں اور جو کچھ فروگزاشت ہو ان پر تنہائی میں محبت وشفقت سے نکیر اور سمجھانے کی کوشش کریں (سوانح مولانا محمد انعام الحسنؒ ص:۲۹۳۔۲۹۴۔۲۹۵)۔

حضرت شیخ کا دفاعِ تبلیغ میں ایک ہزار سے زائد خطوط لکھنا

تحریک کے ابتدائی دنوں میں اعتراضات کی کثرت کا یہ حال تھا جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ ''حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ ہی کے دور سے استفسارات اور اشکالات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، جہاں تک میرا اندازہ ہوگا شاید ایک ہزار سے زائد خطوط اس سلسلہ میں لکھے ہوں گے'' (تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات، ص:۱)۔

مدارس اور تبلیغ کا باہمی ربط

ایک موقع پر مدارسِ عربیہ اور دعوت وتبلیغ کے باہمی ربط وتعلق میں کچھ خلجان سامنے آیا، تو اس کا دفعیہ اپنی تحریر کے ذریعہ اس طرح فرمایا: جو لوگ اپنی ناواقفیت سے اپنی اغراض کی وجہ سے تبلیغ کو تعلیم کے خلاف بتلاتے ہیں، اس کے تعلق سے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے بھی کئی بار تردید کی، اور یہ ناکارہ تو

بار بار شدّت سے اس کی تردید کرتا رہا ہے، آپ حضرات سے درخواست ہے کہ اس قسم کے خیالاتِ فاسدہ کی طرف بالکل توجہ نہ فرمائیں، مدارس کی طرف یا خانقاہوں کی طرف لوگوں کی توجہات جب ہی ہوسکتی ہیں جبکہ ان کو دین کا کچھ درد پیدا ہو، اور جب دین کی طرف لگاؤ نہیں ہوگا تو پھر مدارس اور خانقاہوں کو کون پوچھتا ہے''۔

ایک دوسرے موقع پر رقم طراز ہیں: ''میرے نزدیک یہ تحریک موجودہ حالات کے لحاظ سے نہایت مفید اور بے انتہا ثمرات کا موجب ہے، ہزاروں نہیں لاکھوں بے نمازی، بے دین، دین دار بن گئے، لوگ علماء اور مدارس کے بہت خلاف تھے وہ سینکڑوں کی مقدار میں اہلِ علم سے متعلق اور مدارس کے معین بن گئے، نہ صرف ہندوستان، پاکستان بلکہ ممالکِ عربیہ اور یورپ کے بہت سے شہروں میں ہزاروں آدمی دین کی طرف متوجہ ہورہے ہیں، جن ممالک میں مساجد ویران پڑی تھیں ان میں باقاعدہ نماز بلکہ تراویح کا اہتمام ہوگیا، کوتاہیوں سے انکار نہیں، لیکن کوتاہیوں سے کونسا ادارہ یا مجمع خالی ہے، نفع نقصان کی مجموعی حالت کا اندازہ کیا جاتا ہے'' (مستفاد از: سوانح مولانا محمد انعام الحسنؒ)۔

صرف اپنے ہی کام کو دین کا کام سمجھنا غلطی ہے

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''محض اس وجہ سے کہ ہم ایک کام میں لگے ہوئے ہیں، یا ہمارے

نزدیک ایک کام اہم ہے، باقی ساری عبادات پر اور دوسرے سارے دینی کاموں پر پانی پھیر دینا سخت نا انصافی ہے، میرا مقصود یہ نہیں کہ اس کی ترغیب نہ دی جائے، میرا مقصود یہ ہے کہ اس میں اتنا غلو نہ کیا جائے جو حدود سے متجاوز ہو جائے، کہ نہ اس کے مقابلہ میں کوئی فرض رہے نہ واجب، نہ عذر رہے نہ معذرت، جو لوگ اس کے سلسلہ میں منسلک نہ ہوں وہ جہنمی بنا دیئے جائیں، وہ بے ایمان اور کافروں میں شمار کر دیئے جائیں، جیسے کہ بہت سی تقریروں اور تحریروں میں دیکھا جاتا ہے، اور بہت زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اونچے درجہ کے اکابر اور ذمہ دار حضرات کی زبان سے بھی ایسے لفظ نکل جاتے ہیں (الاعتدال فی مراتب الرجال رص:۶۸۔۶۹)۔

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ صدر مفتی دار العلوم دیو بند و مظاہر علوم سہارنپور اور دعوت و تبلیغ

دعوت و تبلیغ سے تعلق

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو دعوت و تبلیغ سے بڑا گہرا تعلق تھا، آپ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی فکر و کڑھن کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور میوات وغیرہ کے متعدد اسفار میں ان کے ساتھ شریک رہے ہیں، مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھیؒ آپ کی سوانح میں لکھتے ہیں: ''حضرت والا کی تمام ہی زندگی ، درس و افتاء، تزکیۂ نفس و تربیتِ باطن اور وعظ و ارشاد کے ساتھ ہی دعوت و تبلیغ میں گذری، حضرت والا تمام امت کے لئے دعوت و تبلیغ کو بہت ضروری خیال فرماتے تھے اور اکثر اس کی ترغیب دیتے اور تاکید فرمایا کرتے تھے، بہت سے نو فارغین کو تبلیغ میں سال لگانے کا مشورہ دیتے، اور قلبی تقاضہ ہوتا کہ ہر ہر فرد دعوت و تبلیغ کو مقصدِ حیات سمجھے (حیات محمود رص:۱۵۶رج:۲)۔

اسی لئے بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ تعجب ہے کہ تبلیغ والوں نے دار العلوم دیو بند کے مفتی اعظم کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا، اس پر حضرت نے فرمایا: ''واقعہ یہ نہیں ، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں تبلیغی پہلے ہوں، مفتی بعد میں، اور دار العلوم کو مفتی کی ضرورت تھی تو تبلیغ والوں سے مفتی مانگا، انہوں نے یہ ضرورت پوری فرمائی'' او کما قال (تذکرہ فقیہ الامت حصہ دوم رص:۲۴۸)۔

اس تعلق کی بنا پر حضرت تبلیغی اجتماعات میں نہایت بشاشت سے شرکت فرماتے تھے، بیانات فرمایا کرتے تھے، اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ افراد سے تو کبھی دعاؤں کی درخواست تک کرتے، کبھی کوئی جماعت ملاقات کے لئے آتی تو آپ انتہائی شفقت واپنائیت کا مظاہرہ کرتے۔

اکابر تبلیغ سے تعلق

دعوت وتبلیغ کے اکابرین خصوصاً حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے تو نہایت ہی گہرے اور قلبی روابط تھے، چنانچہ ایک موقع پر جب حضرت مفتی صاحبؒ اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ملاقات ایک ریلوے اسٹیشن پر ہوئی تو مولانا محمد یوسفؒ نے فرمایا: ''مفتی صاحب! مصافحہ تو بعد میں کیجئے پہلے مجھے فلاں فلاں مسئلہ کا جواب بتادو'' حضرت نے جوابات ارشاد فرمائے، بعد میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے فرمایا کہ ''ہم کو دعوت میں لگا دیا اور خود بیٹھ گئے'' حضرت نے فرمایا کہ: ''ایک دو کو کسی کونے میں بیٹھ کر کتابوں کی ورق گردانی کرنے دیں، تاکہ آپ کے اس طرح کے سوالات کے جوابات تلاش کرتے رہا کریں'' (تذکرہ فقیہ الامت حصہ دوم، ص: ۲۲۸)۔

اساتذۂ دارالعلوم کے ایک اعتراض کا دفعیہ

ایک واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند میں غلہ اسکیم کا جلسہ تھا، اساتذہ جمع تھے، وہاں یہ بات نکل آئی کہ تبلیغ والے عجیب ہیں، اجتماع میں بڑے

بڑے علماء اور شیوخِ حدیث موجود ہوتے ہیں، لیکن بیان کسی تبلیغی کا رکھتے ہیں، جس نے وقت لگایا ہو، چار مہینے، چلہ، خواہ وہ عالم نہ ہو، جاہل ہو، یہ تو علماء کی توہین ہے، غلط ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: مولانا انعام الحسنؒ جو جماعت کے امیر ہیں وہ ہمارے علماء میں سے ہیں، ہمارے اکابر کے صحبت یافتہ ہیں، ان کے پاس چلیں، ان سے بات کریں، وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ بعض علماء نے فرمایا: آپ وہاں جاتے رہتے ہیں ان سے بات کرلیں، حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: اگر یہیں اس کا جواب مل جائے تو کیسا ہے؟ پھر فرمایا: کہ یہاں دارالعلوم میں غلّہ اسکیم کا جو جلسہ ہوتا ہے اس میں کس کا بیان ہوتا ہے، کیا سب سے بڑے عالم کا ہوتا ہے؟ اس میں اس کا بیان ہوتا ہے جس کے بیان سے زیادہ غلّہ ملے، کیوں کہ مقصود اس سے زیادہ غلہ حاصل کرنا ہے، اسی طرح تبلیغی جماعت میں جو جماعت میں نکلنے کے فوائد اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہو اس کا بیان رکھتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت میں نکلیں اور ان کی اصلاح ہو اور وہ یہ کام کرنے لگیں، ظاہر ہے کہ یہ وہی کرسکتا ہے جو جماعت میں خود نکلا ہو، نکلتا ہو، خاص طور سے جبکہ وہ عام آدمی ہو تو سامعین دیکھیں گے کہ یہ عالم بھی نہیں، لیکن جماعت میں نکلنے سے اس کی ایسی اصلاح ہوئی اور ماشاء اللہ اب ایسی اچھی فکر رکھتا ہے، اور اس کام کی ضرورت اچھی طرح سمجھتا ہے، تو اس سے اور فائدہ ہوگا۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ جواب دیا تو بعض علماء نے فرمایا: آپ

تبلیغ والوں کی حمایت کرنے لگے؟ حضرت نے فرمایا: یہ بے جا حمایت نہیں ہے، بلکہ حقیقت ہے (تبلیغی جماعت ص:۳۷۔۳۸)۔

تبلیغی اجتماعات اور سہ روزہ جماعتوں میں شرکت

کان پور قیام کے زمانہ میں وہاں مرکزِ تبلیغ میں ہفتہ واری اجتماع میں ضرور شرکت فرماتے، حسب مشورہ بیان بھی ہوتا، تبلیغی احباب کے ساتھ مشوروں میں بھی شریک رہتے اور احباب کو لے کر مرکز نظام الدین کے مشوروں میں بھی شرکت فرماتے، اور سہ روزہ جماعتوں میں تشریف لے جاتے، سالانہ اجتماعات وغیرہ میں بھی شرکت فرماتے، بیان بھی حسبِ مشورہ حضرت والا کا ہوتا، اجتماع میں ہونے والے تمام بیانات بغور سماعت فرماتے، سہارنپور مظفرنگر اور ملک کے دیگر علاقوں میں ہونے والے اجتماعات میں حسب موقع شرکت فرماتے، غیر ملکی سفر کے دوران وہاں مرکزِ تبلیغ میں ہفتہ واری اجتماع اور سالانہ اجتماعات میں بھی برابر شرکت فرماتے اور بیان بھی کرتے اور وہاں کے احباب کو مفید مشوروں سے نوازتے، کان پور کی جامع مسجد جو کہ مدرسہ جامع العلوم کی مسجد تھی، حضرت نے اپنے انتظام سے وہاں سالانہ اجتماع کرایا اور مدرسہ کے اس سال کے فارغین مولانا انوار صاحب اور مولانا عبدالغنی صاحب وغیرہ کو چلّے کے لئے بھیجا، اور تعلق والے احباب کی ایک بڑی جماعت اپنی فکر سے چلے کے لئے نکالی، اور جب تک وہاں قیام رہا ملنے جلنے والے احباب کو زور دے کر جماعتوں میں برابر

بھیجتے رہے، بلکہ جن دیہاتوں میں تشریف لے جاتے وہاں اہل تعلق کو جماعتوں میں نکلنے کی ترغیب فرماتے رہے (مستفاد از حیاتِ محمود)۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور مولانا انعام الحسن صاحبؒ کو تبلیغ میں لگانا

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن نور اللہ مرقدہما شروع میں جماعتِ تبلیغ کی طرف زیادہ متوجہ نہیں تھے، علمی انہماک زیادہ تھا، حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو ہی مقرر فرمایا کہ ان کو تبلیغ کی طرف متوجہ کریں، چنانچہ حضرت والا قدس سرہ نے تدبیر وحکمت کے ساتھ مختلف مجالس میں گفتگو فرمائی اور اشکالات وشبہات کو دور فرمایا اور ہر دو حضرات کو تبلیغ کی طرف متوجہ فرمایا...... حضرت مولانا انعام الحسن نور اللہ مرقدہ نے اپنے اشکالات ختم ہونے اور تبلیغی کام کے لئے شرحِ صدر ہونے پر خوشی میں ایک جوڑا، کرتا پائجامہ بنوا کر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں پیش فرمایا (حیاتِ محمود ص:۱۶۳/ ج:۲)۔

جماعت کے احباب کو نصیحت اور تنبیہ

حضرت مفتی صاحبؒ تبلیغی احباب کو خیر خواہانہ نصیحتیں اور مخلصانہ تنبیہات کرنے سے بھی چوکتے نہ تھے، جب دعوت سے وابستہ کچھ حضرات نے یہ سمجھا کہ مولانا الیاس صاحبؒ کو الہام ہوا کرتا تھا، اور یہ سارا کام بطور الہام آپ کو عطا کیا گیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ ''اگر حضرت

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی موجودگی میں یہ بات کہی جاتی تو وہ ضرور اس کی تردید فرما دیتے، یہ غلوِ عقیدت کا نتیجہ ہے، ایسا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے۔

تبلیغ میں لگ کر دوسرے شعبوں کو ہلکا سمجھنے والا غلطی پر ہے

فرماتے ہیں: دعوت وتبلیغ میں لگ کر وعظ، تذکیر، تزکیہ وارشاد کو، خانقاہی نظام کو اور مدارس کے کام کو جو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے، یا تحقیر کرے، وہ غلطی میں مبتلا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ سفرِ میوات

ایک دفعہ کا واقعہ سنایا: حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ میوات جانا ہوا، سخت ترین گرمی کا زمانہ، پھر دوپہر کا وقت، پہاڑی سفر اور پتھر کے مکان تھے، ایک پتھر کے مکان میں لے جا کر ٹھہرا دیا، ایک چارپائی پر مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور دوسری چارپائی پر ہم تین آدمی، ابھی حضرت مولاناؒ کی آنکھ لگی ہی تھی کہ ایک بڑا مجمع مصافحہ کے لئے آ گیا، میں نے حضرت مولاناؒ کی وجہ سے ان لوگوں کو روکنا چاہا کہ ابھی حضرت آرام فرما رہے ہیں بعد میں آنا، حضرت مولاناؒ کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا: روکو مت، روکو مت، اور فرمایا: برداشت کرو، آنے دو، آنے دو، اور کھڑے ہو کر ہر ایک سے مصافحہ فرمایا اور خیریت دریافت فرمائی، پھر ان کو رخصت فرمایا اور فرمایا: مولوی محمود! جب تک طالب کے قلب میں اپنی اتنی قدر نہ پیدا کر دو کہ وہ تمہاری جوتیوں کو چپاتی سمجھنے لگے، تب تک ان پر سختی

کرنے کا حق نہیں (حیاتِ محمود، ص:۱۶۵/ج:۲)۔

علماء کی تنبیہات کی قدر کرنی چاہئے

حضرت مفتی صاحبؒ جماعت سے منسلک حضرات کو علماء کی خیر خواہانہ تنبیہات پر متوجہ ہونے اور اہلِ علم کو شفقت و ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ تبلیغی احباب کی نگرانی اور اصلاح کی ترغیب فرمایا کرتے تھے، ایک موقع پر فرماتے ہیں: ''مقامی علماء اگر سرپرستی فرمائیں اور غلطیوں پر تنبیہ کریں تو اس کی جماعت کو قدردانی کرنی چاہئے، ان مخلص علماء کو تبلیغ کا مخالف سمجھنا غلطی اور سخت غلطی ہے، اس جماعت کو ان کی شفقت اور خیر خواہی کا تجربہ نہیں، اس لئے اہل علم حضرات اگر ان کے حلقوں میں تھوڑی سی شرکت بطور نگرانی فرمائیں تو ان کی غلطی کی اصلاح بھی ہوجائے، اور قلوب میں ہمدردی اور شفقت کا احساس بھی ہوجائے (فتاویٰ محمودیہ، ص:۲۸۴/ج:۴)۔

دین کی ہر جد وجہد کے لئے نکلنا خروج فی سبیل اللہ ہے

فرمایا: خروج فی سبیل اللہ سے عامۃً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے مراد فنا فی سبیل اللہ ہے، لیکن یہ لفظ خروج فی سبیل اللہ بہت عام ہے، دین کی ہر جد وجہد کیلئے نکلنا خروج فی سبیل اللہ ہے، مثلاً: علمِ دین سیکھنے کے لئے، وعظ کہنے کیلئے، اصلاحِ نفس کی خاطر کسی بزرگ کی خدمت میں جانے کیلئے، تبلیغ کے واسطے جماعت بنا کر نکلنے کیلئے، کہیں فساد ہوگیا تو مظلوموں کی امداد کیلئے، اہل

باطل کے فتنے سے مسلمانوں کی حفاظت کی خاطر مناظرہ کرنے کے لئے ، یہ سب خروج فی سبیل اللہ ہے، حتیٰ کہ امام بخاریؒ نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں جمعہ کے واسطے جانے کو بھی خروج فی سبیل اللہ تحریر فرمایا ہے، جیسا کہ رص: ۱۲۴رج:۱رمیں ہے (فتاویٰ محمودیہ رص:۲۹۹۔۳۰۰رج:۴)۔

علماء پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض

پیشِ نظر عنوان کے تحت فتاویٰ محمودیہ میں لکھتے ہیں: ''علماء نے تو مدارس قائم کئے، کتابیں جمع کیں، اساتذہ کو مقرر کیا، طلبہ کو اکٹھا کر کے تعلیم کا انتظام کیا، جگہ جگہ وعظ کہتے ہیں، جلسے کرتے ہیں، تبلیغ کرتے ہیں، کتابیں تصنیف کرتے ہیں، پھر اس کا مشاہدہ کرلیا جائے، پھر ان کے متعلق یہ بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے کہ یہ مسلمانوں کا دینی علوم سے مستفیض ہونا پسند نہیں کرتے، اس بات کا غلط ہونا تو آفتاب سے زیادہ روشن ہے''۔

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں: ''تبلیغی جماعت کے اصول میں سے ہے کہ جو حضرات علماء ومشائخ دینی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں ان کو باہر نکلنے کی دعوت ہرگز نہ دی جائے، جیسا کہ ''چھ باتیں'' میں تصریح ہے، البتہ اس کام کو پسند کرنے والے اور بغیر چلہ ہی کے وقتاً فوقتاً اس میں شرکت کرنے والے بہت علماء ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح حیات میں بہت تفصیل ملے گی'' خود دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے میرے سامنے فرمایا کہ

''میں بھی چلہ میں جاتا مگر وقت میں گنجائش نہیں'' اور اپنے سامنے طلباء کے زمانۂ تعطیل میں جانے کیلئے کوشش فرمائی اور چلہ کو بہت اہمیت دی، جہاں جہاں جماعت جائے وہاں کے علماء کرام نگرانی فرما کر غلطیوں پر تنبیہ فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا'' (ایضاً رص:۲۵۳ رج:۴)۔

جماعت کے احباب مدارس اور خانقاہوں کا پورا احترام کریں

فرماتے ہیں ''تبلیغی جماعت کا اصل مقصد دین کی طلب کا عام کرنا ہے، جس سے مدارس کو طلباء بھی کثرت سے ملیں اور خانقاہوں کو ذاکر بھی کثرت سے ملیں، اور ہر مسلمان کے دل میں دین کی اہمیت پیدا ہو، اہلِ علم، اہل مدارس حضرات حسبِ موقع تعاون فرمائیں، اگر اس میں کوتاہی اور خلافِ اصول چیزیں دیکھیں تو خیر خواہی اور ہمدردی سے ان کی تصحیح کریں، اصلاح فرمائیں، اور جماعتوں کے ذمہ ضروری ہے کہ خانقاہ اور مدارس کا پورا احترام کریں، اور اپنی اصلاح کے لئے ان حضرات سے مشورہ لیں، اور ان کی ہدایات کو دل وجان سے قبول کریں، ان کو ہرگز ہرگز یہ دعوت نہ دیں کہ یہ حضرات اپنے دینی مشغلہ کو ترک کردیں اور مدارس وخانقاہوں کو بند کر کے تبلیغ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں'' (ایضاً رص:۲۴۲-۲۴۳ رج:۴)۔

ہر ایک کو دوسرے کا کام قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے

خانقاہوں اور مدارس کا کام بہت اہم ہے، اس کو بے سود کہنا گمراہی ہے، اتنا ضرور ہے کہ مدارس وخانقاہوں میں وہ آتے ہیں جن کے دل میں طلب

ہو، جن کے دل میں طلب نہیں وہ نہیں آتے، اور اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے، تبلیغی جماعت بے طلب لوگوں کے پاس جاتی ہے، جس طرح نبی اکرم ﷺ بے طلب لوگوں کے پاس تشریف لے گئے، اس اعتبار سے تبلیغی جماعت کا کام زیادہ پھیلا ہوا ہے اور اس کا نفع بھی ظاہر ہے، لیکن یہ تقابل کا طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے، اس میں فتنہ ہے، اپنی اپنی جگہ پر سب حضرات کا کام بہت اہم اور ضروری ہے، کسی سے استغناء نہیں، ہر ایک کو دوسرے کا کام قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے، تخریبی تنقید سے بچنا چاہئے، ورنہ اس تخریبی تنقید کا دروازہ کھل گیا تو بس تنقید، تحمیق، تجہیل، تفسیق اور تضلیل کا بازار گرم ہو کر تکفیر تک نہ پہونچ جائے، کوتاہیوں سے کون خالی ہے (ایضاً ص: ۲۵۰)۔

دعوتِ دین کے مختلف طریقے ہیں

فرماتے ہیں: حضور اکرم ﷺ کا لایا ہوا دین سیکھنا، اس پر عمل کرنا، اس کو دوسروں تک پہونچانا نہایت اہم اور ضروری ہے، امت نے ان کی اہمیت کو محسوس کیا ہے، البتہ طریقہ اس کا یکساں اختیار نہیں کیا، کسی ایک طریقہ کو سب کیلئے لازم قرار نہیں دیا، وعظ وتقریر، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ارشاد وتلقین حسب استعداد مناسب طرق سے کام لیا گیا، جس طرح سے مدارس کا نصاب ونظم ہے کہ وہ نہایت مفید ہے اور اس کو برقرار رکھنا ضرری ہے، مگر قرون اولیٰ میں یہ طریقہ موجود نہیں تھا، محض اس بناء پر اس کو غلط نہیں کہا جائے گا اور متقدمین پر یہ الزام نہیں ہوگا کہ انہوں نے اس کو کیوں نہیں اختیار کیا، اس نصاب

ونظم کی ترغیب دی جائے گی، اس کی افادیت کو ثابت کیا جائے گا، لیکن جو شخص مدرسہ میں داخل نہ ہو اس کو مطعون وملعون نہیں قرار دیا جائے گا، بہت سے بہت کہا جائے گا کہ وہ اس نصاب کے فوائد سے بے بہرہ ہے۔

تبلیغی جماعت اور دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور

علماء کے تبلیغی جماعت سے متنفر ہونے کے بارے میں ایک سائل کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس جماعت کے پہلے بزرگ اور بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ تھے جو کہ دیوبند کے پڑھے ہوئے اور حضرت شیخ الہندؒ کے بہت قابل اعتماد شاگرد تھے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ اہتمام سے تبلیغی اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں، سہارنپور کے اجتماع میں ان ''چھ نمبروں'' پر ہی تقریر فرمائی اور ہر نمبر کو قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت کرکے فرمایا کہ اس دور میں یہ طریقہ نہایت جامع ہے، ہمہ گیر ہے، انتہائی مفید ہے، متعدد تقریریں ان کی طبع بھی ہو چکی ہیں۔

دہلی نظام الدین خط لکھ کر خود بھی اجتماعات میں شرکت کی خواہش کی اور دارالعلوم میں جماعتیں بھیجنے کی فرمائش کی، اب بھی جماعتیں آتی ہیں اور آج بھی ایک جماعت آئی اور اس نے ایک مسجد میں قیام کیا، خبر ملنے پر اس

جماعت کو دار العلوم کے مہمان خانہ میں بلا کر قیام کرایا اور تمام طلبہ میں اس جماعت نے کام کیا، بقرعید کی تعطیل میں یہاں سے طلبہ کی جماعت کے نکلنے کا انتظام کیا جا رہا ہے''۔

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند بھی شرکت فرمارہے ہیں، مستقل سفر کرکے مدراس کے اجتماع میں بھی تشریف لے گئے تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ہمراہ بارہا میوات وغیرہ کے علاقہ میں تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا عبد الاحد صاحب مدظلہ اس جماعت سے محبت کرتے ہیں اور جماعت کو اپنے مکان پر لے جا کر دعوت کا اہتمام فرماتے ہیں، حضرت مولانا ارشاد صاحب نے مستقل جماعت کی مدافعت کیلئے مناظرے کئے اور بارہا اس مقصد کیلئے طویل طویل سفر کیا، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحان کے موقع پر یہاں طلبہ کو جمع کرکے باہر نکلنے پر آمادہ کیا جاتا ہے اور اجتماع کے موقع پر عامۃً حضرت مولانا انظر شاہ صاحب تقریر فرماتے ہیں اور ترغیب دیتے ہیں۔

مدرسہ مظاہر علوم تو پورے طور پر ہمیشہ ہی اس جماعت کی نصرت کیلئے اپنے آدمی بھیجتا اور سعی کرتا رہتا ہے، مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس مظاہر علوم بھی اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں (فتاویٰ محمودیہ)۔

تبلیغی جماعت

اکابر اہلِ علم ومشائخ اولیاء کرام کی نظر میں

الحمدللہ، اکابر علماء ومشائخ نے ہر زمانہ میں تبلیغ کی مروّجہ تحریک کی تائید وحمایت کی ہے، ذیل کی سطور میں ہم تبلیغی تحریک کے حوالہ سے درس وتدریس اور تزکیہ وسلوک سے وابستہ اکابر اہلِ علم ومشائخ خانقاہ کے خیالات تحریر کرتے ہیں:

(۱) شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

۱) حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات مبارکہ کی آخری تقریر تبلیغی اجتماع منعقدہ ۲۶ ر جولائی ۱۹۵۷ء بمقام ارکونم ضلع شمالی آرکاٹ (مدراس) میں فرمائی، تاثیر کا یہ عالم تھا کہ سارا مجمع رورہا تھا، حضرت قدس سرہ نے تبلیغی فضائل وضرورت وبرکات کا ذکر فرمایا اور آخر میں ارشاد فرمایا کہ:

''بھائیو! تم نے جو قدم اٹھایا ہے وہ مبارک ہے، اللہ پاک تمہاری جد وجہد سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور تم سے اسلام کی خدمت لے تم ہرگز تنگ دل مت ہو''۔

میرے بزرگو! اللہ تعالیٰ نے آپ کے دلوں میں تبلیغ کی محبت ڈال دی، یہ مبارک کام ہے اور آپ مبارکباد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے، اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے بھائیوں کی بھی، اللہ

آپ کو مزید ہمت عطا فرمائے (تبلیغی تقریریں ص:۱۱۔۱۲)۔

۲) مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ حصہ دوم ص:۱۰۹ پر پروفیسر سید احمد شاہ مرادآبادی کے نام مطبوعہ خط میں درج ہے "محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تبلیغی خدمات کے انجام دینے اور اس کے لئے مولانا الیاس صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر ہدایات حاصل کرنے کا مقصد مبارک مقصد ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور پھر توفیق عطا فرمائے کہ آپ اس مبارک مقصد کو بلکہ اپنی خاندانی وراثت کو بخیر وخوبی انجام دیں" (مولانا) سے میرا سلام واستدعاء، دعوات صالحہ انجام دیں، فقط والسلام۔

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۳) حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے سامنے جب تبلیغ کی حمایت اور مخالفت کے اشتہارات پیش کئے گئے تو آپ نے یہ رائے ظاہر فرمائی کہ "اہلِ مدارس کی مختلف تحریریں اور پوسٹر دربارۂ حمایتِ تبلیغ ومخالفت ان دنوں نظر سے گزریں جن میں حدِ اعتدال اور توسط سے تجاوز کرتے ہوئے افراط وغلو سے کام لیا گیا ہے، تبلیغِ دین اور تعلیمِ دین ہر دو امور ضرورت اور فرائض اسلامیہ سے ہیں...... زمانہ سعادت (صحابہ کرامؓ) سے لے کر آج تک ہمیشہ کارکن اشخاص اور جماعتوں سے غلطیاں بھی ہوتی رہی ہیں، مگر ان کی غلطیوں کی وجہ سے وہ ضروری چیزیں ممنوع نہیں قرار دی گئیں، بلکہ اصلاح کی گئی اور ان غلطیوں کو چھانٹ دیا گیا، اہل تبلیغ بھی ہماری طرح انسان ہیں، ان میں نا

تجربہ کار اور نو آموز افراط وتفریط کرنے والے اشخاص بھی ہیں، ان کی کسی کوتاہی پر نفس تبلیغ پر نکیر کرنا غلطی سے خالی نہ ہوگا، اور یہی حال تعلیم کا بھی ہے اس لئے میں تمام بھائیوں سے امید وار ہوں کہ ہر ایک دوسرے کی عزت افزائی کی کوشش کرے اور گندگی اچھال کر مسلمانوں میں مزید تفریق پیدا نہ ہونے دیں (منقول از تبلیغی تقریریں رص:۱۵)۔

(۲) حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے یہاں تھانہ بھون میں ایک تبلیغی جماعت کام کرتے ہوئے پہنچی، حضرت نے اپنے خاص مقرَّب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو ان کی نصرت ورہبری کے لئے تجویز کیا، اور واپسی پر ان سے جملہ احوال دریافت کر کے مسرت کا اظہار فرمایا، اور اسے سن کر حضرت باغ باغ ہوگئے اور ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور بار بار فرماتے رہے ''مولانا الیاس نے یاس کو آس سے بدل دیا، مولانا الیاس نے یاس کو آس میں بدل دیا''۔

پھر اپنے عزیز کی طرف سے چائے بسکٹ پیش کی اور چار وقت کے کھانے کی دعوت دی اور اہل مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''کسی کو یہ دیکھنا ہو کہ حضرات صحابہ کیسے تھے تو ان لوگوں کو دیکھ لو''۔

بعد ازیں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس جماعت سے قیام کی مدت کے متعلق دریافت فرمایا، جماعت نے تین دن عرض کیا، تو حضرت نے

فرمایا: آٹھ یوم کا قیام چاہتا ہوں، جسے جماعت نے بخوشی منظور کیا، حضرت نے بہت دعائیں دیں اور فرمایا کہ: اللہ رب العزت جس سے جو کام چاہیں لے لیتے ہیں یہ کام مولانا الیاسؒ کے حصہ میں آیا یہ بہت ہی اونچا کام ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کام سے امت کو نفع ہوگا۔

اللہ اسے قبول فرمائے اور اس میں برکت فرمائے اور اپنی تائید ونصرت کو شامل حال فرمائے اور شرور وفتن سے حفاظت فرمائے (منقول از: تبلیغ کے متعلق بزرگان ہند کے چند ارشادات، مرتبہ جناب محمد عالم صاحب بی اے)۔

مذکورہ بالا واقعہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بھی بطور خلاصہ اپنی کتاب ''مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت'' کے ص: ۱۰۰ر پر درج کیا ہے۔

(۳) شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

ا) مولانا احمد عبدالرحمٰن صدیقیؒ فرماتے ہیں کہ: امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ رحمۃ اللہ علیہ امیر ثانی جماعت تبلیغ جب بھی لاہور تشریف لاتے، اکثر اپنے دیگر بزرگوں وساتھیوں کی طرح امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ کے یہاں تشریف لایا کرتے اور دعائیں ومشورے حاصل کیا کرتے تھے، چنانچہ ذی قعدہ ۸۰ھ میں بندہ دورۂ تفسیر میں بحیثیت خادم حضرت لاہوریؒ موجود تھا کہ امیر التبلیغ تشریف لائے، درس تفسیر کی وجہ سے بات چیت نہ ہوسکی، اس لئے ایک رقعہ لکھ کر مجھے عنایت کیا کہ جب حضرت درس سے فارغ ہوں تو پیش کردیں۔

حضرت لاہوریؒ نے رقعہ دیکھ کر ارشاد فرمایا ''ہم تو بغیر ان کے کہے ہوئے بھی ان کے لئے دن رات دعائیں کرتے رہتے ہیں'' اور فی الفور ہاتھ کھڑے کر کے حسبِ عادت خاموشی سے دعا فرمائی۔

۲) اسی طرح مولانا مجاہد الحسینی صاحب سابق ایڈیٹر خدام الدین لکھتے ہیں کہ ''ایک دفعہ امیر التبلیغ مولانا محمد یوسفؒ حضرت لاہوریؒ سے شرف ملاقات کے لئے شیرانوالہ مسجد میں تشریف لائے، حضرت لاہوریؒ سے ملاقات ہوئی، بعض دوسرے جلیل القدر علماء بھی موجود تھے، حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعض ایمان افروز واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت کی زندہ کرامات کی اس سے بڑی علامت اور کیا ہوسکتی ہے کہ جن لوگوں کا غرور نفس اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ اپنے ہاتھ سے گھڑے کا پانی لینے میں ایک عار محسوس کرتے تھے وہ تبلیغ دین کے لئے قریہ قریہ بستی بستی اپنے کندھوں پر بستر اٹھائے پھرتے ہیں'' (تبلیغ نمبر، ص:۳۳۴)۔

حضرتؒ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا ''ایک بات یاد رکھیں کہ کسی حق پرست جماعت کا باطل پرستی کی طرف پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگ جائے کہ ہمارے سوا دوسری کوئی دینی جماعت حق پر نہیں ہے اور ہماری جماعت کی بقاء دوسروں کی فنا ہی کی صورت میں ہوسکتی ہے، دیکھنا آپ کی جماعت میں کہیں یہ احساس وتاثر پیدا نہ ہوجائے، ہم تو ہر آن آپ حضرات کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا محمد الیاسؒ کے اس گلشن تبلیغ کو

ہمیشہ ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے‘‘۔

(۴) قطب الارشاد شمس العارفین حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ

مولانا عبدالرحمٰن میانوی صاحب راوی ہیں کہ حضرت رائے پوریؒ ’’کوہ مَری‘‘ میں مقیم تھے، میں بھی حضرت کی زیارت کے لئے مَری گیا، ایک روز تبلیغی جماعت کے ایک صاحب سے میری کچھ بحث چل پڑی اس میں کچھ تلخی کی باتیں بھی ہوگئیں، دوسرے روز حضرتؒ وضو فرمارہے تھے ان صاحب نے میری شکایت کی، حضرتؒ وضو سے رُک گئے اور رنجیدہ لہجے میں فرمایا: ’’مجھ سے ان حضرات کی شکایت نہ کیا کرو، آج کے زمانہ میں حضور ﷺ کی عزت وناموس پر ان کی طرح جان نثار کرنے والا کون ہے، حضور ﷺ کی صحبت میں ان کو میں صحابہؓ کے نقش قدم پر دیکھ رہا ہوں، آئندہ کوئی اس جماعت کی مجھ سے شکایت نہ کرے‘‘ (ہمارے دور کے چند علماء حق، ص: ۱۷ / مرتبہ محترم امین گیلانی صاحب)۔

(۵) مرشد کامل حضرت مولانا عبد الغفور عباسی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک ماہ صفر ۱۳۹۰ھ کے ص: ۶۰ / پر ایک ملفوظ مبارک مطبوعہ ہے کہ فرمایا ’’میرے ہاں دو چیزیں ہیں جن کی میں تعلیم دیتا ہوں‘‘ (۱) امر بالمعروف (۲) نہی عن المنکر۔ امر بالمعروف تو سہل ہے لیکن نہی عن المنکر مشکل ہے اس کی تعلیم کوئی کوئی دیتا ہے، الحمد للہ تبلیغی جماعت سے وابستہ حضرات بہت اچھا کام کررہے ہیں۔

(۶) مؤرخِ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ ندویؒ ''مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت'' پر تحریر کردہ مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''اوپر کی سطروں میں تبلیغ ودعوت کے اصول پر جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام کے تبلیغی اصول اور دعوت کے طریق کیا ہیں، اور جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں آئندہ اوراق میں جو کچھ کہا گیا ہے، اور جس دعوت وتبلیغ کے علمی وعملی اصول وآئین کا تذکرہ ہے، وہ موجودہ ہندوستان کی تمام دینی تحریکوں میں اصل اول سے زیادہ قریب ہے، حکیمانہ تبلیغ ودعوت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اسلام کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی ہے، اس پر اسلام کی بنیاد، اسلام کی قوت، اسلام کی وسعت اور اسلام کی کامیابی منحصر ہے، اور آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے اور غیر مسلمانوں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کو مسلمان، نام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان، اور قومی مسلمانوں کو دینی مسلمان بنانا ہے، حق یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن کی یہ ندا یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمِنوا (اے مسلمانو مسلمان بنو) کو پورے زور وشور سے بلند کیا جائے، شہر شہر، گاؤں گاؤں اور در در پھر کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کام کیا جائے، اور اس راہِ جفا میں وہ جفا کشی اور محنت کشی اور وہ ہمت اور وہ قوتِ مجاہدہ صرف کی جائے جو دنیا دار لوگ، دنیا کے عزّ وجاہ اور حصولِ طاقت میں صَرف کر رہے ہیں، جس میں حصولِ مقصد کی خاطر ہر متاع عزیز کو قربان کرنے اور ہر مانع کو بیچ سے ہٹانے کے لئے نا قابل تسخیر طاقت پیدا ہوتی ہے، کشش سے، کوشش سے، جان ومال سے، ہر راہ سے اس میں قدم آگے بڑھا

یا جائے اور حصول مقصد کی خاطر وہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کی جائے جس کے بغیر دین و دنیا کا نہ کوئی کام ہوا ہے اور نہ ہوگا، اس جنون کی اس عہد میں مثالیں آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو اصل کتاب (حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت) کو شروع کر دیں"۔ والسلام مئی ۱۹۴۷ء بھوپال

(۷) حضرت مولانا شمس الحق افغانی نور اللہ مرقدہ

سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند، وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

۱) مولانا احمد عبد الرحمٰن صدیقیؒ لکھتے ہیں: بندہ رجب ۱۳۹۱ھ میں ایک چلہ پر جیکب آباد سندھ کی جماعت کے ساتھ بحمد اللہ تعالیٰ گیا، حضرت علامہ افغانی دامت برکاتہم نے اپنے ایک مکتوب میں دیگر ہدایات و دعاؤں کے علاوہ چلہ تبلیغ کے بارے میں تحریر فرمایا "مبارک ہو اللہ قبول فرمائے"۔

۲) جولائی ۱۹۷۲ء میں حضرت اقدس دامت فیوضہم کی خدمت میں بعض اسئلہ وطلبِ دعا کے ساتھ تبلیغی چلہ پر روانگی کا ارادہ ظاہر کیا۔ جس پر حضرت شیخ مدظلہ نے درج ذیل عجیب وغریب الفاظ سے تبلیغی کام کی تحسین فرمائی۔

"اللہ تعالیٰ نے اس جہاد دین کے ثمرہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کے تحت، انوار ہدایت سے مستفید فرما دیں"۔

(آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ ہماری راہ میں محنت و جہاد کریں گے ہم ضرور ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے)۔

۳) گزشتہ دنوں نوشہرہ کے ایک صاحب نے تبلیغی جماعت کے

خلاف زہر آلود و متعصّبانہ کتاب لکھی اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ ''حضرت افغانی دامت برکاتہم نے اسے پسند کیا اور اس کا خلاصہ ساتھ لکھنے کو فرمایا'' اس سلسلہ میں جب حضرت موصوف مدظلہ سے رابطہ قائم کیا گیا تو حضرت مدظلہ نے تحریر فرمایا کہ ''یہ کتاب قاضی صاحب لائے تھے، جس میں اہل تبلیغ کی بعض خامیوں کا ذکر تھا، میں نے یہ مشورہ دیا کہ اکابرِ جماعت تبلیغ سے کہہ کر ان کا ازالہ ہوسکتا ہے، کتاب کی اشاعت نہ کریں، اس میں مخالفین کو فائدہ ہوگا اور تبلیغ کی اس واحد روشنی کو کمزور کردینے سے اہلِ اسلام کا بڑا نقصان ہوگا...... خلاصہ کا مطلب یہ تھا کہ طویل کتاب سے واقعی شکایات کا خلاصہ بنا کر مجھے بھیج دیں، تا کہ اہل تبلیغ کے اکابر سے آپ کی تسلی کرادی جائے، اشاعت ہرگز نہ کریں'' (شمس الحق افغانی)۔

(۸) یادگارِ سلف حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ مفتی اعظم ہند

۲۸/۲۹/۳۰/نومبر ۱۹۴۱ء کو نوح ضلع گڑگاؤں میں ایک عظیم الشان تبلیغی جلسہ ہوا، میوات کی سرزمین نے انسانوں کا اتنا بڑا اجتماع ایک جگہ کبھی نہیں دیکھا تھا، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نہ صرف تشریف لائے بلکہ جمعہ کی نماز پڑھائی، مفتی اعظم ابوحنیفہؒ وقت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے بھی رونق بخشی اور اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ''۳۵/سال سے ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہورہا ہوں، لیکن میں نے اس شان کا ایسا بابرکت اجتماع آج تک نہیں دیکھا'' (مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت/ص:۱۳۱)۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

مہتمم دار العلوم دیو بند و خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہ

سہارنپور میں منعقد تبلیغی اجتماع کے موقع پر اپنے پُر مغز خطاب میں ارشاد فرمایا: ''اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تبلیغ، اصلاح کے ان چاروں طریقہ کا ایک مجموعہ مرکب ہے، تو یہ تبلیغی جماعت ایک ''معجون مرکب'' ہے، گویا یہ نسخہ اَمرت کا بن گیا، جس میں اصلاحِ نفس کے یہ چاروں طریقے جمع ہو گئے ہیں، الغرض اس میں محنت کرنے سے بہت ہی بڑا فائدہ ہوگا (اصلاحِ نفس اور تبلیغی جماعت ص:۲۱)۔

بہر حال اصلاحِ نفس کے چار جز اور چار طریقے ہیں، اور تبلیغ کے اندر حسنِ اتفاق سے چاروں طریقے جمع ہو گئے ہیں، صحبتِ صالح بھی ہے، ذکر وفکر بھی ہے، مواخاۃ فی اللہ بھی ہے، دشمن سے عبرت وموعظت بھی ہے، اور محاسبۂ نفس بھی ہے اور انہی چاروں کے مجموعہ کا نام تبلیغی جماعت ہے، عام لوگوں کے لئے اصلاحِ نفس کا اس سے بہتر طریقہ نہیں ہوسکتا، اس طریقۂ کار سے دین عام ہوتا جا رہا ہے اور ہر ملک کے اندر یہ صدا پہنچتی چلی جا رہی ہے، اس کے ذریعہ لوگوں کے عقائد درست ہو رہے ہیں اور لوگ تیزی سے اعمال کی جانب بڑھ رہے ہیں، اور اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں (ایضاً ص:۲۷)۔

مسلمانوں کی پناہ گاہ صرف دو ہیں، ایک دینی مدرسے دوسرے تبلیغی کام

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں ''آج کے دور میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن یہ تحریک اپنی

مثال آپ ہے، اس میں نہ عہدے ہیں، نہ منصب ہیں، نہ کرسیاں ہیں، اور نہ سیٹیں ہیں، بلکہ اپنے مال کا خرچ ہے، اپنی جیب پر بار ہے، یہ تحریک موجودہ دور میں دین کے تحفظ کے لئے آخری پناہ گاہ ہے، آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں، اس دور میں مسلمانوں کے لئے صرف دو پناہ گاہیں ہیں، ایک دینی مدرسے، دوسرے یہ تبلیغی کام (جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات ص:۵۲)۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانویؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ فرماتے ہیں: ''دیوبند نے تبلیغ کے نام سے دنیا کے اندر ایمان کو کس طرح سے تقسیم کیا ہے (پھیلایا ہے) اور لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ایمان کی طرف کیسے لائے ہیں، اس کے نتائج آپ سب لوگوں کے سامنے ہیں، اور خاص طور پر اس وقت اس محنت کی قدر و قیمت ہوتی ہے جب انسان یورپ میں اور دوسرے ملکوں میں جا کر دیکھتا ہے (خطبات حکیم العصر ص:۷۰ ج:۵)۔

محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کامل پوریؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ

ایک صاحب نے تبلیغ میں مسلسل چلوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ: ''موجودہ زمانہ میں یہ بہت بڑا فریضہ ہے، مگر اس کے ساتھ پسماندگان کے حقوق کا بھی خیال فرمانا ضروری ہے'' (تجلیات رحمانی ص:۲۲۳)۔

مولانا موصوف کی سوانح میں لکھا ہے کہ: ''جہاں تبلیغی کام ضروری سمجھتے وہاں علومِ دینی کی اشاعت، مدارس کا قیام، درس و تدریس کا رواج، تصنیف و تالیف اور دوسری دینی خدمات کو بھی ضروری سمجھتے تھے، بعض

جماعتوں سے وابستہ حضرات جو دین کو صرف اپنے کام میں منحصر سمجھتے ہیں اور دوسرے امور کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، یہ چیز آپ کی وسیع المشربی کے خلاف تھی، بلکہ اس نقطۂ نظر کو دین کے ہمہ گیر نظام کے لئے مضر سمجھتے تھے، فرماتے کہ ''خلوص ہو تو دین کا ہر کام اجر اور ترقی درجات کا باعث اور رضائے خداوندی کا موجب ہے'' (ایضاً ص:۳۲۳)۔

حضرت شیخ لکھتے ہیں:

''آپ میوات کے جلسوں میں کثرت سے تشریف لے جاتے رہے، حضرت مولانا کی ایک دفعہ طبیعت ناساز تھی، حکیم کو دکھانے دہلی تشریف لے گئے، چونکہ نظام الدین ہی قیام رہا کرتا تھا، اس وقت حضرت دہلوی میوات کے ایک سخت ترین سفر پر جا رہے تھے، جو پہاڑ پر تھا، حضرت نے مولانا کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، باوجودیکہ مولانا بیمار بھی تھے مگر ساتھ ہو لئے، جمعہ کا دن نہایت گرمی کا وقت، پہاڑ پر پیدل چڑھنا پڑا، دونوں اکابر نہایت مشقت کے ساتھ جمعہ کی عجلت کی وجہ سے تیزی سے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے، پسینہ پسینہ ہو رہے تھے ایک ناواقف میواتی نے دوسرے کو آواز دے کر کہا کہ ''ارے فلانے! دیکھ تو یہ مولبی ''گنجی'' کھانے کے شوق میں کیسا بھاگ رہے ہیں'' گنجی میوات کا ایک کھانا ہے جو ان کے یہاں بہت پسندیدہ ہے اور یوپی والوں کو اس کا کھانا مشکل ہے، امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے حضرت مولانا کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے (جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات ص:۶۱ ملخصا)۔

مروجہ دعوت وتبلیغ سے متعلق چند مسائل

تحریرِ علماء کانپور/ ومفتیانِ دار العلوم دیو بند

(۴۳۰/ب)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان کرام کہ:

۱) نبی کریم ﷺ کی بعثت جن مقاصد کے لئے تھی، جنہیں کارِ نبوت کہنا چاہئے وہ کیا کیا امور ہیں؟ اگر کوئی شخص صرف مسلمانوں میں ایمان واعمال کی مروّجہ محنت (چلہ چار مہینہ) اور موجودہ طریقۂ دعوت وتبلیغ پر کارِ نبوت کے مفہوم کو منحصر کرے تو شرعاً یہ صحیح ہوگا؟ یا غلو اور تحریف فی الدین کا مصداق ہوگا؟ اور کیا عہد نبوت میں صرف دعوت کی محنت رائج تھی، یا تعلیم وتعلّم اور تزکیہ وتصوف (احسان) وغیرہ کا بھی سلسلہ تھا، اور اس کی کیا شکل تھی؟ جو ان امور کا منکر ہو اس کا کیا حکم ہے؟۔

۲) دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، تزکیہ وتربیت کا شرعاً کیا درجہ ہے، کس چیز میں لگنا فرض عین ہے اور کیا چیز فرض کفایہ ہے؟ نیز موجودہ زمانہ میں دعوت وتبلیغ کی مسلمین اور غیر مسلمین میں شرعاً کیا حیثیت ہے؟ اور مروجہ دعوت وتبلیغ (چلہ چار مہینہ) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ فی زماننا مدارس اور خانقاہوں کا وجود شرعاً ضروری (واجب لغیرہ) ہے یا نہیں؟ جو اس کے وجوب کا مخالف ہو اس کا کیا حکم ہے؟۔

۳) کیا عہد نبوت اور عہد صحابہ میں دعوت وتبلیغ، یا تعلیم وتزکیہ وغیرہ کسی

مخصوص طرز کے ساتھ متعین تھے، اوران کا کوئی لگا بندھا طریقہ تھا، یا کوئی خاص شکل شرعاً متعین نہیں کی گئی تھی ،اگر کوئی شخص موجودہ مروجہ طریقۂ دعوت (چلہ چار مہینہ) کو کہے کہ صحابہ کا یہی طریقہ تھا،یعنی وہ چلہ چار مہینہ لگاتے تھے تو یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور یہ کہنے والا کیا تحریف فی الدین کا مرتکب کہلائے گا؟۔

۴) کیا خاص وعام ہر ایک مسلمان کو مروجہ دعوت کی محنت میں،یعنی چلہ چار مہینہ میں لگنا ضروری ہے؟ اگر کوئی عالم یا مربی عوام کی دینی اصلاح کے لئے دعوت وتبلیغ کے مروجہ طریقہ سے ہٹ کر کوئی اور مفید صورت تجویز کرے مثلاً (ہر دوئی کا ''دعوۃ الحق'' کا نظام وغیرہ) تو شرعاً یہ دوسرا طریقہ بھی صحیح کہلائے گا یا نہیں؟ اگر کوئی اس کو حرام اور غلط کہے تو کیا حکم ہے؟ اور اگر حرام نہ کہتے ہوئے اسے جبر یا سازش سے بند کرانے کی کوشش کرے تو کیا حکم ہے؟۔

۵) دینی مدارس کے اساتذہ با تنخواہ پڑھاتے ہیں، جبکہ دعوت وتبلیغ والے حضرات کا کہنا ہے کہ وہ اپنا خرچ خود لگاتے ہیں،تو کیا مدرسہ کی خدمت کا معاوضہ یا تنخواہ لینے کے سبب، مدرسہ کا مدرس وملازم دینی خدمت میں مشغول کہلانے کا مستحق نہیں؟ اور کیا وہ تنخواہ کی وجہ سے آخرت کے اجر کا مستحق نہیں رہا، خیر القرون اور خلافت راشدہ کے عہد میں مستقل دینی خدمت میں مشغول حضرات کے لئے اجرت تنخواہ یا وظیفہ کا ثبوت ملتا ہے؟ اگر کوئی مدارس کے فروغ اور اجرت لینے کو دنیا کا دھندہ کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

۶) اگر کسی شخص نے مروجہ دعوت وتبلیغ میں بالکل وقت نہیں لگایا اور وہ کسی شیخِ وقت کے پاس، یا مدرسہ میں رہ کر اپنی اصلاح کرا کر لوگوں کو دینی امور کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہے، ایسا شخص دعوت وتبلیغ میں وقت نہ لگانے کی وجہ سے کسی فریضہ کا تارک ہوکر گنہگار ہے؟ یا شرعاً وہ راہِ راست پر ہے؟۔

۷) مروجہ محنت (چلہ چار مہینہ) میں معروفات پر سارا زور ہوتا ہے، منکرات کو قصداً نہیں چھیڑا جاتا، تو کیا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم صرف معروفات کی محنت سے پورا ہو جائے گا، نیز حسب استطاعت منکرات پر تکبر کے بغیر معروفات اور ایمان وعمل کی تبلیغ کو مکمل تبلیغی کام کہنا اور نہج نبوت کے مطابق کہنا صحیح ہوگا؟ اور کیا امت کے لئے معروفات کی تبلیغ کی محنت کافی ہے، نہی عن المنکر والی جماعت کا وجود ضروری نہیں؟۔

۸) دعوت وتبلیغ یعنی چلہ چار مہینہ میں لگنے کا کام زیادہ تعداد میں لوگ کر رہے ہیں، تصنیف وتالیف، تدریس وافتاء، تزکیہ واصلاح میں نسبتاً افراد کم ہیں، سوال یہ ہے کہ دیگر دینی مذکورہ شعبوں میں مشغول افراد کو بھی وقت لگانا ضروری ہے، یا وہ دعوت وتبلیغ سے زیادہ اہم کام میں مشغول کہلائیں گے؟۔

۹) اگر کسی ایک مسجد میں مدرسہ وتبلیغ کا نظام دونوں قائم ہوں، اور مدرسہ میں تعلیم وتعلم کے کام سے تبلیغی کام کے مشورہ یا ان کے سونے میں خلل پڑتا ہو، تو کیا تبلیغی احباب قرآن پڑھنے والے طلبہ یا علوم دینیہ کے تکرار ومطالعہ

سے طلبہ کو روک کر اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں؟ ایسی صورت میں وہاں سے مدرسہ کو ختم کرنا چاہئے یا تبلیغی کام کو؟ اگر مدرسہ کی تعلیم کی وجہ سے تبلیغی حضرات اپنا کام کہیں اور منتقل کریں تو اس میں ان کو ثواب ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح اگر اہل تبلیغ حضرات کی خواہش کی بنا پر مدرسہ کو اگر ختم کر دیا جائے (جبکہ وہ علاقہ کا بڑا مدرسہ ہو اور تبلیغی کام وہاں کی درجنوں مساجد میں انجام دیا جا رہا ہو) تو کیا مدرسہ بند کرنا بھی درست ہوگا؟ شرعاً کس عمل کو ترجیح ہوگی؟۔

۱۰) جن مساجد میں معتبر علماء کرام اور مفتی حضرات امام ہیں، اگر وہ تفسیر قرآن یا درس حدیث کے ذریعہ لوگوں کو دین وعلم دین سے جوڑتے ہوں، تو ان کی تفسیر اور بیان وتقریر سے گریز کرنا اور دوسروں کو گریز کرنے کا مشورہ دینا شرعاً کیسا ہے؟ جبکہ دوسرے وقت ''فضائل اعمال'' کی تعلیم بھی وہاں رائج ہے، اسی طرح کسی مسجد میں تفسیر قرآن جو معتبر علماء شروع کرنا چاہیں، ان کو شروع نہ ہونے دینا اس کی مخالفت کرنا کیسا ہے؟۔

۱۱) علماء کے عوام پر کیا کیا حقوق ہیں؟ اور ان کی حق تلفی پر کیا وعید ہے؟ اگر مروجہ دعوت وتبلیغ میں مشغول حضرات اپنے قول وفعل سے علماء کے حقوق پامال کریں، یا کام میں لگے علما اور نہ لگے علماء کے درمیان تفریق برتیں تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ نیز علماء کا وجود اور عوام کو علماء سے جڑنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر کوئی علماء کے وجود کو ضروری نہ قرار دے تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

۱۲) اللہ رب العزت اور اس کے رسول محمد ﷺ کے نزدیک انسانوں کی پیدائش کا اصل مقصد عبادت ہے یا دعوت؟ اگر کوئی یہ کہے کہ عبادت مقصد ہے اور دعوت اس کا ذریعہ تو یہ صحیح ہے، یا یہ کہنا کہ دعوت مقصد ہے اور عبادت اس سے کمتر مثلاً اعتکاف وغیرہ سے یہ کہہ کر روکے کہ تم دعوت وعبادت کو جمع کرو، اعتکاف کی حاجت نہیں، تو یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟۔

۱۳) کیا موجودہ تبلیغی نظام شرعاً مقاصد وقف میں شامل ہے؟ یعنی مسجد میں جماعت کا حجرہ بنانا اور مطبخ بنانا، یا مال مسجد سے خریدی ہوئی یا مسجد کے لئے کسی کی دی ہوئی الماری ان کے لئے خاص کرنا درست ہے؟ اور تبلیغی جماعت کے افراد کا کھانے کے وقت، سونے کے وقت ڈھائی گھنٹہ اور آٹھ گھنٹہ گزارنے کے وقت، مسجد کے پنکھے، بجلی، خصوصاً انویٹر استعمال کرنا جبکہ پنج وقتہ نمازوں میں انویٹر کی قلت ہوجاتی ہو، کیا متولی کو اس کی اجازت کا استحقاق ہے؟۔

۱۴) مسجد کے امام یا مؤذن کو مہینے میں تین دن کے لئے اور سال کے چلہ کے لئے نکلنے پر مجبور کرنا، یا تقرر کے وقت اس کی شرط لگانا کیسا ہے، اور کیا متولی اس مقصد سے جانے والوں کو مسجد کے مال سے ان ایام کی تنخواہ دے سکتا ہے؟ اگر نہیں دے سکتا تو کیا بغیر تنخواہ جماعت میں نکلنے پر مجبور یا مشروط کرنے کا متولی کو حق حاصل ہے؟ نیز کیا امام ومؤذن کے اوصاف میں سال لگائے ہونے کی قید کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ امام کے تقرر کے لئے سال کی یا

جماعت میں لگنے کو معیار بنانا کیسا ہے؟۔

۱۵) غیر عالم کا وعظ کہنا کیسا ہے؟ اگر کوئی غیر عالم داڑھی کٹا تا ہو اور لباس بھی غیر شرعی ہو اور وہاں علماء بھی موجود ہوں، تو کیا ایسا شخص دینی مسائل بیان کرسکتا ہے؟ شرعاً کن شرائط کے ساتھ غیر عالم کو بات کرنے کی اجازت ہے؟۔

۱۶) تبلیغی جماعت کے اجتماعی اعمال اور آٹھ وڈھائی گھنٹہ کے اوقات میں لوگوں کے لئے انفرادی اعمال: ذکر، تلاوت، نوافل وغیرہ کی ادائیگی دشوار ہوجاتی ہے، نیز جماعت والوں کا تقاضا بھی ہوتا ہے کہ اجتماعی اعمال کے وقت انفرادی اعمال نہ کئے جائیں، ایسی صورت میں مسجد میں انفرادی اعمال کی انجام دہی کے لئے شرعاً کیا صورت ہے؟ کیا جماعت والوں کی بات مان کر مذکورہ اعمال ذکر، تلاوت، نوافل چھوڑ دیں (جب کہ آئندہ اس کے لئے وقت نہ ملتا ہو اور گھر بھی نہ ہو یا اس لائق نہ ہو) یا پھر اجتماعی اعمال میں شرکت نہ کر کے انفرادی اعمال انجام دے کر مسجد سے جاسکتا ہے؟ اگر انفرادی اعمال میں یکسوئی نہ رہے، اجتماعی اعمال کی وجہ سے خلل پڑے تو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟۔

۱۷) اگر کسی نیک کام اور دینی تنظیم میں غلو اور بگاڑ عام ہوجائے، شرعی حدود پر وہ کام باقی نہ رہ جائے، بلکہ اس کے ذمہ داران سے صریح تحریف فی الدین کی باتیں صادر ہوں، اگر چہ کچھ افراد معتدل بھی ہوں تو کیا ایسے کام اور

طریقہ کی حمایت ونصرت کو جاری رکھا جائے، یا خرابیوں کے سبب بیزار ہوکر علیحدہ ہو جائے، پھر اس کی کھل کر نکیر کرے یا خاموش رہے، شرعاً ایسی شکل میں کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔

استفتاء منجانب: تنظیم العلماء والائمہ کانپور واطراف

انوار احمد جامعی صدر المدرسین جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جاجمؤ

اقبال احمد قاسمی صدر مدرس ومفتی مدرسہ مظہر العلوم بیکن گنج کانپور

عبد الرشید قاسمی مفتی مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد پڑکاپور جاجمؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق

جواب سے پہلے چند امور بطور تمہید عرض ہیں:

۱) کارِ نبوت ایک کلّی ہے، اس کی بے شمار جزئیات ہیں، اور سب ہم رتبہ نہیں، ان میں اہم اور غیر اہم کا فرق ہے، سب کی تفصیل دشوار ہے اور ضروری بھی نہیں، البتہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا کام سالم کوہِ نور کی مثال تھا، وہ بیک وقت معلم ومرشد، مبلغ وداعی، محدث ومفسر، مجاہد وفرماں روا اور فقیہ ومجتہد تھے، پھر بعد کے زمانوں میں دینی کاموں کی تفصیل عمل میں آنی شروع ہوئی، مگر دین کی دعوت وتبلیغ کا کام ہر دینی کام کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا، اس سے صرف نظر نہیں کی گئی، کیونکہ یہ دین کا بنیادی کام تھا، مگر آہستہ آہستہ اس ضمنی مگر اہم کام میں سستی پیدا ہوئی، جیسے اولیاء کی دعوت سے بے شمار لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، مگر ان کی تعلیم وتربیت کی طرف بادشاہوں اور علماء نے کما حقہ توجہ نہیں دی تو جہالت عام ہوگئی اور نومسلم برائے نام مسلمان ہوکر رہ گئے۔

پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دار العلوم دیوبند قائم ہوا اور اس کی شاخیں پھیلنی شروع ہوئیں، اور انہوں نے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دینا شروع کیا، اور اس سے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے اکابر دیوبند کی راہ نمائی میں دعوت وتبلیغ کی داغ بیل ڈالی، اور ایک خاص نہج پر کام شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے دونوں سلسلوں میں برکت فرمائی اور دنیا کی کایا

پلٹتی نظر آئی، پس یہ پرندے کے دو پر ہیں، یا سالم کوہِ نور کے دو ٹکڑے ہیں، دونوں کو پوری اہمیت دینی چاہیئے، اگر ایک کام میں غلو ہوگا اور دوسرے کو نظر انداز کیا جائے گا، تو دین کا نقصان ہوگا۔

۲) ہر کوئی اپنے دائرہ کار میں اپنا اثر بڑھانا چاہتا ہے، دارالعلوم دیوبند مدارس کو مربوط کرنے کی سعی کرتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ مساجد کس کے دائرہ کار میں آتی ہیں، علماء ان کو اپنے دائرہ کی چیز سمجھتے ہیں، مگر وہ امامت کے علاوہ مسجد اور نمازیوں سے کچھ سروکار نہیں رکھتے، نہ محلّہ کو اور گاؤں کو جوڑتے ہیں، نہ نوجوانوں کو نماز سکھاتے ہیں، نہ ان کی دینی ذہن سازی کرتے ہیں، وہ آتے ہیں اور نماز پڑھا کر نکل جاتے ہیں، اور تبلیغ والے مساجد کو اپنا دائرہ کار سمجھتے ہیں، وہ مساجد میں قیام کرتے ہیں، محلّہ اور گاؤں کو جوڑتے ہیں اور دینی ذہن بناتے ہیں، مگر وہ ایک دو دن قیام کر کے چلے جاتے ہیں تو ان کی محنت پر پانی پھر جاتا ہے، پس اگر مساجد کے ائمہ دعوتی مزاج کے ہوں تو وہ بعد میں جوانوں کو اور بے دین مسلمانوں کو سنبھال لیں گے، اور دعوت کا کام کرنے والوں کی محنت ٹھکانے لگے گی، پس اگر تبلیغ والے اور ائمہ موافقت کیساتھ کام کریں تو کام خوب ہوگا، حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا: ہم نہیں چاہتے کہ سب علماء تبلیغ میں لگ جائیں، اگر ایسا ہوگا تو علمی کام اور مدارس کو کون سنبھالے گا؟ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ علماء ہمارے کام کی موافقت کریں، تاکہ ہماری جماعتوں کو کام کرنے میں سہولت ہو۔

۳) جس کثرت کی وحدتِ جامعہ قوی ہوتی ہے، وہ اپنی کثرت کو

سنبھالے رکھتی ہے اور وحدتِ جامعہ کمزور پڑ جائے وہ کثرت کو نہیں سنبھال سکتی، جیسے مضبوط ٹاٹ میں روڑے باندھ کر چلیں تو ٹاٹ نہیں پھٹے گا، اور بوسیدہ کپڑے میں روڑے لے کر چلیں تو کپڑا پھٹ جائے گا، پس جب کوئی کام غیر معمولی حد تک پھیل جائے تو وحدتِ جامعہ کی مضبوطی ضروری ہے۔

۴) ایک ملک کا ایک مرکز ہونا چاہئے، مراکز کا تعدد انتشار کا باعث ہوگا، برصغیر میں بلکہ سارے عالَم میں اہل السنہ والجماعہ کا مرکز دارالعلوم دیوبند ہے، تمام دینی تحریکات اور ادارے اس مرکز سے وابستہ رہیں تو خیر ہمکنار رہے گی، تحریک تبلیغ کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ پھر ان کے خلیفہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب قدس سرہ از خود اکابر کی خدمت میں آتے تھے، ان کو میوات کے اجتماعات میں لے جاتے تھے، اور کام کے سلسلہ میں ان سے مشورہ کرتے تھے، بعد کے امراء کو بھی اسی طریقہ پر رہنا چاہئے۔

۵) ہر بڑی جماعت میں عوام بھی ہوتے ہیں اور خواص بھی، عوام تو بے لگام ہوتے ہیں، ان کی باتوں کو ہفوات سے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے، ہاں خواص کی باتیں قابل اعتناء ہوتی ہیں۔

اس کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات عرض ہیں:

۱) اس کا جواب تمہیدی باتوں میں آگیا۔

۲) دین کے سب کام ضروری ہیں، مکاتب کا کام مسلمان بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے، جو فرض عین ہے، عربی مدارس کا کام طلباء کو پورے دین

کی تعلیم دینا ہے، جو فرض کفایہ ہے اور جماعت تبلیغ کا کام بڑی عمر کے لوگوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے، اور غیر مسلموں کو دین کی دعوت دینا مستقل کام ہے، اور موجودہ طریقۂ تبلیغ: تعلیمِ بالغان کی ایک صورت ہے جو نہایت مفید ہے۔

۳) اس کا جواب تمہیدی باتوں میں آ گیا ہے، دینی کاموں کا کوئی مخصوص طرز متعین نہیں، جیسے نفسِ علاج سنت ہے، مگر اس کا کوئی مخصوص طریقہ سنت نہیں۔

۴) دعوت وتبلیغ کا کوئی بھی نہج اپنا سکتے ہیں، کوئی خاص طریقہ متعین نہیں، اور رائج طریقہ حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ نے اکابر دارالعلوم کے مشورہ سے چلایا ہے، پس دورِ اول کے کام سے استناد تو کر سکتے ہیں مگر اس کو بعینہٖ صحابہ والا کام نہیں کہہ سکتے، یہی حال تعلیم کا ہے، اس کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں اور صحابہ کے طریقہ سے صرف استناد کر سکتے ہیں۔

۵) متاخرین نے ضروری طاعاتِ مقصودہ پر تنخواہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، پس ان کا کام بھی بالیقین دینی خدمت ہے، وہ آخرت کے اجر کے حق دار ہوں گے، پہلے حکومت وظائف دیتی تھی اب ملت یا ادارے تنخواہ (ضروریاتِ زندگی) مہیا کرتے ہیں، اس سے اخروی اجر ختم نہیں ہوتا۔

۶) شرعاً راہِ راست پر ہے، تارک فریضہ نہیں۔

۷) نہی عن المنکر بھی دین کا جزء ہے اس کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

۸) ہر فرض کفایہ بقدر کفایہ فرض ہے، اور جو کوئی دین کی کوئی لائن پکڑے وہ

دوسری لائنوں سے کام کرنے والوں کی ہمنوائی کرے مخالفت نہ کرے، مگر یہ کہ وہ کام غلط ہو۔

۹) مسجدیں درحقیقت نماز کے لئے ہیں، فارغ اوقات میں دوسرے دینی کام کئے جاسکتے ہیں اور نماز سے مراد فرائض، واجبات اور دیگر ملحق سنتیں ہیں، ذاتی وظائف مراد نہیں، پس فارغ اوقات میں باہم موافقت کے ساتھ دونوں کام کئے جائیں، منازعت سے بچا جائے۔

۱۰) یہ طریقہ مناسب نہیں، اس سے جماعت کے احباب کو بچنا چاہئے۔

۱۱) یہ سوال غیر ضروری ہے، جماعت کے خواص اس سے بری ہیں، اور عوام بے لگام کا اعتبار نہیں۔

۱۲) مقصدِ تخلیق عبادت اور دعوت اس کا ذریعہ ہے۔

۱۳) اس سوال کا جواب دو باتوں پر موقوف ہے (۱) یہ کام مسجد کے غلہ (آمدنی) سے کیا جاتا ہے یا چندہ سے؟ (۲) اگر چندے سے کیا جاتا ہے تو چندہ دہندگان کی طرف سے اجازت ہے یا نہیں؟ اگر چہ اجازت عرفاً ہو، اس کے جواب پر جواب موقوف ہے۔

۱۴) اس کا جواب تمہیدی باتوں میں آ گیا۔

۱۵) غیر عالم کا وعظ دو طرح کا ہوتا ہے (۱) چھ نمبر کے دائرہ میں رہ کر تمرین کے لئے بیان کرنا عامی کے لئے بھی جائز ہے (۲) دین کی باتیں بیان

کرنا افادہ کے لئے، اس کے لئے عالم ہونا شرط ہے۔

۱۶) اس کا جواب جواب ۹ر میں آ گیا۔

۱۷) صحیح طریقہ کی حمایت کی جائے اور خرابیوں کی اصلاح کی جائے، مگر غلو اور تحریفات کا کوئی علاج نہیں **اللھم احفظنا منہ**۔

کتبہ: سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری خادم دار العلوم دیوبند ۵ر جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح:

ابو القاسم نعمانی مہتمم دار العلوم دیوبند

زین الاسلام قاسمی الہ آبادی مفتی دار العلوم دیوبند

وقار علی غفرلہ

محمد مصعب عفی عنہ

حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　محمود الحسن غفرلہ بلند شہری

محمد نعمان سیتاپوری غفرلہ　　فخر الاسلام عفی عنہ

محمد اسد اللہ غفرلہ　　(از: ماہ نامہ ترجمانِ دیوبند، اشاعت مئی ۲۰۱۵ء)

اختلاف میں بھی عدل واعتدال کی پابندی ضروری ہے

(اختلافات کی بھی اپنی کچھ حدود اور شرائط ہوتی ہیں، جن کا خیال رکھنا ہر دو فریق کیلئے از حد ضروری ہوتا ہے، لیکن تبلیغی جماعت کے امارت وشوریٰ والے حالیہ اختلاف میں اختلافات کی حدود وآداب کو جس بے دردی سے پامال کیا گیا وہ نہایت افسوس ناک رہا ہے، دونوں ہی فریق نے ایک دوسرے پر لعن طعن، سب وشتم اور بیجا الزام تراشی میں شرافت کو بالائے طاق رکھ کر جس رکیک اور گھٹیا زبان کا استعمال کیا ہے، وہ بلاشک خود کو دین کے خدمت گزار کہلانے والوں کی شایانِ شان ہرگز نہیں ہے، پیشِ نظر مضمون ملک کے معروف عالمِ دین حضرت مولانا یحییٰ نعمانی صاحب دامت برکاتہم کا ہے، جس میں اختلافات کی حدودوآداب کے تناظر میں ہمارے اکابر علماء کا اسوہ پیش کیا گیا ہے، وہ حضرات اصولی وفروعی اختلافات میں فرقِ ضالہ کی تنقید میں بھی ایسا رویہ ہرگز اختیار نہیں کرتے تھے۔

فرماتے ہیں:

حق کی نصرت، باطل کا مقابلہ اور خصوصاً دینی فتنوں کے سلسلہ میں غیرت وحمیت، ایمان اور دین میں بصیرت کا تقاضہ ہے، یہ ان ائمہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی طرز وموقف رہا ہے جو امت میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے مسلک ومزاج کے امین رہے ہیں، انہوں نے دینی گمراہیوں اور راہِ حق سے انحراف کو کبھی برداشت نہیں کیا، اور کسی وقتی اور مادی مصلحت کو اس فریضہ کی ادائیگی سے مانع نہیں بننے دیا، اس سلسلہ میں کم وبیش ان کی بے چینی

واضطراب سیدنا حضرت ابوبکرؓ کے مشہور مقولہ (أینقص الدین و انا حی یعنی میرے جیتے جی دین میں کچھ کتر بیونت؟) کی کچھ جھلک ضرور دکھاتی ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک گمراہ کن مقولہ کو سن کر صاف کہہ دیتے ہیں کہ: رگ فاروقیم بے اختیار در حرکت می آید (مجھے یہ سب برداشت نہیں ہوتا، میری فاروقی رگ بے ساختہ حرکت میں آجاتی ہے)۔

ہمارے اس دور زوال و کمزوری میں ایسے طبقات بھی وجود میں آگئے ہیں جو کسی بڑی سے بڑی گمراہی و انحراف پر نکیر کو بھی شدت پسندی و تعصب گمان کرتے ہیں، ان کے نزدیک دین ایسا ڈھیلا ڈھالا تھیلا ہے جس میں ہر خیال و مسلک کی گنجائش ہونی چاہئے، وہ کفریہ بدعات کو بھی قبول کرنے کے داعی اور ان پر نکیر و تنقید کے مخالف ہیں، رفض و تشیع ہو یا قبر پرستی، انکار حدیث ہو یا تجدد کے نام پر دینی حقائق میں کھلی تحریف ان کو کسی سے امت کو بچانے کی فکر نہیں، وہ صلحِ کل کو وسعتِ نظر اور اعتدال سمجھ بیٹھے ہیں۔

اس کے برخلاف کچھ ایسے طبقات ہیں، جن کے نزدیک دینی غیرت بس شدت ہی کا تقاضہ کرتی ہے، فرق ضالہ کے تعاقب کے شوق نے اعتدال کا سرشتۂ مبارک ان سے دور کر دیا ہے، ان کو ایسا لگتا ہے کہ حق سے جس نے تھوڑا سا بھی انحراف کیا اس سے تشدد اور سخت کلامی سے پیش آنا، اس پر سخت حکم لگانا اور اس کی تردید و مخالفت کو زیادہ سے زیادہ مشغلہ بنالینا ہی دینی غیرت و استقامت کا

معیار ہے، یہ غلطی ہمارے بے شمار نوجوان علماء اور فارغینِ مدارس سے ہو رہی ہے، ان کے سامنے کوئی معیار نہیں کہ کس گمراہی کا کیا مقام ہے؟ کس انحراف کا کیا درجہ ہے؟۔

افسوس ہمارے یہاں جہاں اور کمزوریاں شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی ہیں، وہیں تنقید میں بے اعتدالی اور مخالفت میں شدّت وحِدَّت بھی بڑھتی جا رہی ہے، ملت کی وحدت پارہ پارہ اور حلقوں اور جماعتوں کی فصیلیں اونچی ہوتی جا رہی ہیں جن کو پھلانگنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے، پہلے اہل بدعت اور گمراہ لوگوں کے ساتھ ہی یہ رویہ تھا، اب تو آپس میں ہی زبانی تلواریں چلنے لگی ہیں، اہل حق کا احترام بھی نہیں بچا، بلکہ اساتذہ اور بڑوں کا ادب بھی باقی نہیں رہا، ناپختہ عقل اور ناتجربہ کار نوجوانوں کی نافہمی سوشل میڈیا کے ذریعہ لامحدود ہو کر متعدی اور تیز پھیلنے والی بیماری کی شکل اختیار کر گئی ہے، احباب مختلف مسائل سے متعلق تحریریں اور زبانی بیانات کے کلپس بھیجتے رہتے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اختلاف کے اقسام اور حدود نیز اخلاقیات وآداب کا شعور نہایت کم ہے، اور غالباً اس کو عام کرنے کی سنجیدہ کوششیں بھی کم ہیں۔

یہ تحریر اسی تکلیف دہ صورت حال سے متاثر ہو کر لکھی جا رہی ہے اور خاص طور پر اپنے نوجوان علماء کے طبقے سے کچھ گزارشات کا ارادہ ہے:

۱) مسلمانوں کے اختلاف کے موٹے طور پر دو درجات کیے جاسکتے ہیں۔

الف: واضح بدعات اور گمراہانہ عقائد کے معاملے میں اہل سنت نے کبھی گنجلک موقف اختیار نہیں کیا، اہل سنت والجماعت کے طریق ومسلک کی خصوصیات میں سے ہے کہ ان کو حفاظت دین کی غیر معمولی فکر رہی، متقدمین میں مثلاً امام حسن بصری، امام ابوحنیفہؒ، امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے بعد کے ہمارے سلسلے کے اکابر علماءؒ کے موقف رد بدعت کے سلسلہ میں معروف ہیں۔

مگر یہ ائمہ ہر گمراہی کو اس کے درجے پر رکھتے تھے، خاص طور پر اپنے مخالفین کے ساتھ نہایت شریفانہ وکریمانہ معاملہ کرتے تھے، اس کی پوری احتیاط کی جاتی تھی کہ کسی مسلمان کی حق تلفی نہ ہو، اس کی گمراہی اور غلطی کی تردید کے ساتھ اس کے علم سے استفادہ، اس کے خیر اور خدمتِ دین کی قدر، اس کے لئے امید مغفرت کا اظہار وبیان کرتے ہیں، اس سے بھی بڑھ کر اس دلی خواہش کا اظہار بھی کہ شاید انہوں نے اپنی غلطی سے توبہ کرلی ہو، حضرت قتادہ ابن دعامہؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشہور شاگرد اور ان کے علم کے امین وناقل ہیں، اللہ معاف فرمائے انکار تقدیر جیسی بدعت میں مبتلا تھے، مگر تمام محدثین نے ان کے علم سے فائدہ اٹھایا، بخاری ومسلم کے اہم راویوں میں ہیں، اہل سنت کے مشہور امام ومحدث حافظ ذہبی تحریر فرماتے ہیں:

هو حجة بالاجماع...... وكان يرىٰ القدر نسال الله العفو،

ومع هٰذا فما توقف احد فی عدالته وحفظه، ولعل الله يعذر أمثاله ممن تلبس ببدعة يريد بها تعظيم البارى وتنزيهه..... ثم ان الكبير من ائمة العلم اذا كثر صوابه وعلم تحريه للحق واتسع علمه وعرف صلاحه وورعه واتباعه يغفر له زلاته ولا نضلله ونطرحه وننسى محاسنه، نعم ولا نقتدى بہٖ فی بدعته وخطئه ونرجو له التوبة من ذٰلک (سیر اعلام النبلاء ۲۰۲/۱۰)۔

قتادہ بالاجماع حجت اور قابل اعتماد راوی ہیں، انکار تقدیر کی بدعت میں مبتلا تھے، ہم اللہ سے ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اس بدعت کے باوجود کسی نے ان کی عدالت اور حافظہ میں توقف نہیں کیا، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے جیسے بدعات میں مبتلا لوگوں کو معذور قرار دے گا، جو کسی بدعت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس کے خیال سے مبتلا ہو گئے ہیں، امامت کے درجے پر فائز صاحب علم، اگر ان کا حق ان کے باطل سے زیادہ ہو اور معلوم ہو کہ وہ حق کے متلاشی بھی تھے، علم بھی وسیع تھا، نیز تقویٰ واحتیاط کی زندگی تھی تو ان کی لغزش معاف کی جائے گی، ہم ایسوں کو گمراہ کہہ کر چھوڑ نہیں دیتے اور نہ ان کے محاسن کو نظر انداز کرتے ہیں ہاں ان کی بدعت اور غلط فکر کا اتباع بھی نہیں کرتے، اور امید کرتے ہیں کہ انہوں نے اس بدعت سے شاید توبہ ہی کر لی ہو۔

راقم کے شیشۂ ذہن پر ائمۂ اہل سنت کے اس فکری اعتدال کی بہت سی

تصویریں حرکت کر رہی ہیں، اس مختصر سی تحریر میں بہت سے نمونے دکھانے کا موقعہ نہیں ورنہ جو بھی سلف کے کلام اور ان کے حالات وواقعات سے اشتغال رکھتا ہے، اس کے سامنے اس انداز فکر کی بے شمار مثالیں گزرتی رہتی ہیں۔

ب: اختلاف ومباحثے کا تیسرا دائرہ اہل حق کے فکری، اجتہادی اختلاف کا ہے، یہاں تو محبت واکرام اور نرمی وکشادہ ذہنی کا حسین چمن آباد ہے، کوئی کسی پر سخت رائے کا اظہار نہیں کرتا، نہ غلط کاری کا فتویٰ لگاتا ہے، نہ عوام کو دوسرے سے بدگمان کرتا، نہ لایعنی نزاع اور مباحثے کی فضا پیدا کرتا ہے، حضرت امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ”خراسان والوں میں کوئی اسحٰق جیسا عالم نہیں ہوا، اگرچہ وہ بہت سی چیزوں میں ہم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں، مگر لوگوں میں (یعنی علماء دین میں) ہمیشہ اختلاف تو ہوتا ہی آیا ہے (تاریخ بغداد ص:۳۴۸، ج:۶)۔

ہمارے دیار میں آخر دور میں اہل سنت والجماعت کے مسلک میں امامت کا مقام سید الطائفہ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے ہم مسلک علماء کو حاصل ہوا، اس وقت ہم سب، ہمارے تمام حلقے انہی بزرگوں کے نام لیوا اور خوشہ چیں ہیں، یہ عاجز اپنی کم مائیگی کے احساس کے باوجود پورے یقین اور شرح صدر کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ دینی اختلافات اور مسلکی مباحثات میں ان کا طریق ومسلک وہ نہیں تھا جو اس وقت نوجوانوں میں کثرت سے نظر آرہا ہے، اور نہ ہی

ہمارے موجودہ اکابر ومشائخ محققین کی وہ تعلیم ہے۔

ہمارے ان مشائخ واکابر کا مسلمانوں کے درمیان اختلافی مسائل میں وہی معتدل، تحقیقی اور متوازن طریق مسلک رہا ہے جس کا اوپر اس مقالے میں حوالہ دیا گیا ہے، اس میں حق پر استقامت وثبات کی شان بھی ہے، دین کی انحرافات وبدعات سے حفاظت کا اہتمام بھی ہے، مسلمانوں کے ساتھ عدل بھی ہے، مزاجی شرافت ووقار اور دین کا درد بھی، یہ حضرات اپنے دور کے ائمہ اور مجددین کا مقام رکھتے تھے، کاش ہم ان کی اتباع کرسکتے، ذیل میں ان کابر کے ایسے ہی کچھ سبق آموز نمونے ذکر کیے جارہے ہیں۔

۱) حضرت مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ اپنے زمانہ میں ہندوستانی معاشرے میں پھیلی بدعات وشرکیات کے سب سے بڑے مصلح کی حیثیت رکھتے تھے، اسی وجہ سے حضرتؒ پر احمد رضا خاں صاحب نے کفر کے فتوے لگائے تھے، ان فتوؤں اور رسالوں میں مغلظات کی بارش بھی کی تھی، ایسا ہی ایک رسالہ گنگوہ پہنچا، حضرت والاؒ اس وقت نابینا ہوچکے تھے، مولانا محمد یحییٰ خادم خاص تھے، حضرت نے ان سے رسالہ پڑھ کر سنانے کی فرمائش کی، انہوں نے عرض کیا حضرت مجھ سے تو نہیں سنایا جاتا، نِری گالیاں ہی ہیں، حضرت نے فرمایا ارے دور کی گالیوں کا کیا ہے؟ سنادو، شاید اس میں کوئی حق کی بات ہو تو ہم اس کو قبول کرلیں (ارواح ثلاثہ)۔

میرٹھ کے ایک مولوی عبدالسمیع صاحب مرحوم ہوا کرتے تھے، وہ بھی مولود و فاتحہ جیسی عوامی بدعات کے حامی اور اہل بدعت کے عقائد کے مؤید تھے، خان صاحب بریلوی سے پہلے وہ بھی اس مسلک کے بڑے نمائندوں میں تھے، ان کی کتاب ''انوار ساطعہ'' اسی مسلک کی ترجمان اور ہمارے اکابر کی اصلاحی تحریک کی مخالفت کے لئے لکھی گئی تھی، حضرت گنگوہیؒ نے اس کا جواب مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے دلوایا تھا، اسی مجادلہ کی فضا میں مولوی عبدالسمیع صاحب کا گنگوہ آنا ہوا، تو حضرت گنگوہیؒ نے ان کی کھانے پر دعوت کی، اور مولانا سہارنپوری کو خط میں لکھا، اگر وہ اپنے موقف پر بحث کرتے تو میں جواب دیتا، مگر جب انہوں نے ہی سکوت اختیار کیا تو میں کیوں ابتدا کرتا۔

۲) بریلویت اور مسلک سنت کی مخالفت میں احمد رضاں خاں صاحب سے پہلے مولوی فضل رسول بدایونی کو قیادت کا مقام حاصل تھا، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر تو ان کی بڑی ہی کرم فرمائی تھی، ان کرم فرمائیوں سے ہمارے اکابر کو کیسا شدید درد و کرب ہوتا ہوگا، اس کو وہی جان سکتا ہے جو اس عقیدت و محبت سے واقف ہو جو ہمارے اکابر کو شاہ شہیدؒ سے رہی ہے، حضرت نانوتویؒ کے ایک خاص بے تکلف مرید امیر شاہ خاں صاحب تھے، انہوں نے ایک مرتبہ مولوی فضل رسول بدایونی کا نام فصل رسول کہہ کر لیا، حضرت ناراض ہوگئے اور کہا وہ کچھ بھی ہوں تم تو تنابز بالالقاب کے گنہ گار ہوگئے۔

۳) اہل حق کے اجتہادی مسائل میں تو ہمارے اکابر نہایت وسیع الخیال تھے، فقہی مسائل میں ہمارے اکابر کا مسلک عجب تحقیق واعتدال کا ہے، اس عاجز نے عالم اسلام کے مختلف حلقوں کا لٹریچر دیکھا ہے، ملاقاتوں اور گفتگوؤں کا بھی اتفاق رہا ہے، میں سچ عرض کرتا ہوں، ایسا متوازن موقف جس میں پوری نرمی اور اعتدال، تمام ائمہ سلف سے محبت اور ان پر اعتماد بھی ہو اور اس مصلحت کی بھی رعایت ہو کہ عوام میں توسع کے نام پر بے راہ روی نہ پھیلے، مجھے ان حضرات سے زیادہ کہیں نہیں ملا۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کانپور کی تدریس کے دور میں مجھے فاتحہ خلف الامام کے راجح ہونے کا خیال ہوا، میں نے اس پر عمل شروع کر دیا، حضرت گنگوہیؒ کو اپنی ہر بات کی اطلاع دیا کرتا تھا، اس کی بھی اطلاع دی حضرت نے منع نہ فرمایا، مگر چند روز ہی بعد امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنا راجح معلوم ہوا، اس کے مطابق عمل شروع کر دیا، اس کی بھی اطلاع حضرت گنگوہیؒ کو دی گئی اس پر بھی کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔

راقم سطور کے والد ماجد مدظلہم قصہ سناتے ہیں کہ ان کے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ نے دار العلوم دیوبند میں رفع یدین پر گفتگو فرمائی، شافعی طلبہ نے کچھ بحث کی، حضرت کی گفتگو طویل ہوگئی، وقت ختم ہونے لگا، آخر فرمایا: باقی ان شاء اللہ کل، اگلے دن بھی حضرت نے طویل درس دیا

اورفرمایا: باقی ان شاء اللہ کل، تیسرے دن تشریف لائے تو کہا آگے عبارت پڑھی جائے، ہلکے سے طلبہ نے عرض کیا حضرت نے باقی کل کا وعدہ فرمایا تھا، حضرت نے پھر فرمایا: عبارت پڑھو، طلبہ نے اصرار کیا تو فرمایا: پٹواؤ گے کیا؟ رات سیدنا امام شافعیؒ تشریف لائے تھے، فرماتے تھے: بچوں سے ایسے بحث کی جاتی ہے؟ یہ کہہ کرآبدیدہ ہو گئے۔

والد ماجد فرماتے ہیں کہ حضرتؒ سے ائمہ اربعہ کا نام کبھی بغیر ''سیدنا'' کے نہیں سنا۔

ہمارے حضرات ان اختلافی مسائل میں ہمیشہ نہایت روادار رہے ہیں، یہ تو اہل حدیث اور عدم تقلید کے نام پر ایک ایسی تحریک قائم ہوئی جس میں صرف مسلک حنفی کے بجائے محدثین کے طرز کو نہیں اختیار کیا گیا تھا، بلکہ سلف سے بے اعتمادی اور قلتِ ادب کا وہ مرض بھی پھیلایا جا رہا تھا جو امت کے لئے نہایت گمراہیوں کا پیش خیمہ بن سکتا تھا، اور جس کا سیدھا نتیجہ یہ نکل کر رہنا تھا کہ اصلاح اعمال واخلاق اور تعلق مع اللہ سے مکمل روگردانی واعراض کا مزاج بن جائے، اس لئے ہمارے اکابر نے اس طرز وتحریک کی مخالفت کی، مگر جس متانت ووقار اور اعتدال کے ساتھ، وہ بغیر نہایت بے نفسی وروشن ضمیری کے ممکن نہیں۔

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ میاں نذیر حسین دہلویؒ اہل حدیث کے پیشوا تھے، مقلدین کو سخت سست کہا کرتے تھے، بلکہ امام ابوحنیفہ کی

شان میں بھی گستاخی کرتے تھے، حضرت گنگوہیؒ اسی وجہ سے ان سے سخت ناراض رہتے تھے، مگر عدل کی صفت غالب تھی، اس لئے جب کوئی حضرت گنگوہیؒ کے سامنے ان کو برا کہتا تو ان کی طرف سے تاویل کیا کرتے تھے، اسی واقعہ کے سلسلہ میں حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''کسی قوم یا مذہب کے لوگوں پر زیادہ تشدد اور تعدی کرنا، سخت الفاظ کہنا خود کہنے والے کے لئے سخت مضر ہوتا ہے، مجھے اس کا بہت تجربہ ہوا ہے'' (مجالس حکمت، مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، شامل در مجموعہ ملفوظات حکیم الامت: ۲۴؍۲۱۴) کیا ہم کو کبھی اس کا احساس ہوتا ہے؟۔

ایک اہل حدیث نابینا بوڑھے عالم اپنے مسلک کی تائید اور احناف کی تردید میں رسالے لکھتے تھے اور ان کو چھپوا کر سہارنپور اور دیوبند تشریف لے جاتے، سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیثؒ اور دیوبند میں حضرت علامہ انور شاہؒ کے مہمان ہوتے تھے، دونوں جگہ درسگاہوں میں ان رسائل کو فروخت کرتے، حضرت شیخ ان سے کچھ رسائل اس لئے خرید لیتے کہ بے چاروں کا خرچ نکل آئے گا۔

ایک عزیز نوجوان کے ذہن میں اکابر دیوبند کے یہاں ''کچھ مسلکی تعصب'' کا غلط خیال ہے، میں ان کو کریم النفسی کے یہ واقعات دکھاؤں گا، ہاں اگر اہل حدیث برادران شکوہ کریں کہ اب یہ معاملہ نہیں ہے تو ان کو تو کم سے کم

سوچنا چاہئے کہ اس کا سبب ان کا ہی تفریق واختلاف کا رویہ ہے، جس کے ضرر سے عوام کو بچانا بھی تو ضروری ہے، ورنہ حضرت تھانویؒ کے یہاں بار بار یہ تعلیم ملتی ہے اور وہی ہمارے تمام بزرگوں کا موقف ہے کہ "اگر کوئی اہل حدیث تقلید کو حرام نہ سمجھے اور بزرگوں کی شان میں بدزبانی اور بدگمانی نہ کرے تو خیر، یہ بعض سلف کا مسلک رہا ہے، اس میں میں بھی تنگی نہیں کرتا" (اشرف السوانح، جلد اول، ص:۱۷۶، ۱۷۷)۔

یہ تو علمی اور فکری آراء کے اختلاف کی بات تھی، اس کے علاوہ تنظیموں، جماعتوں اور سیاست کے مسائل کے سلسلہ میں اختلافات، رائے کے بھی ہوتے ہیں اور ذاتی شکایتوں اور اختلافات کے بھی ہوتے ہیں، ان میں تو شدت وحدت بڑی ہی نادانی ہے، جب قومی تحریک آزادی اور لیگ وکانگریس کے مسئلہ میں بزرگوں کی رائے مختلف ہوئی تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اگر اخلاص اور سمجھ ہو تو کیا ہوتا ہے، رائے کے پورے اختلاف کے وجود حضرت شیخ الہندؒ کا کیسا اکرام ومحبت کا معاملہ حضرت تھانویؒ کے یہاں تھا، ایک طرف استاذ عالی وقار اس پر خوش تھا کہ شاگرد ایسا حق پرست ہے کہ میری مخالفت کرتا ہے، اور شاگرد مخالف تھا مگر ایسا عقیدت مند کہ اس کو شیخ الہند کے معتقدین سے شکایت کہ حضرت الاستاذ کی انہوں نے ناقدری کی جو شیخ الہند کہا، وہ تو شیخ العالم تھے۔

اس مقالے میں کیا کیا لکھوں؟ دامنِ قرطاس تنگ اور حکایت حسن لمبی ہے، پھر حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کے اختلافات شدید اور بادِ سیاست تند تھی،

جذباتی نادانوں نے اس اختلاف میں کبیدگی کی کیفیت پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، مگر محبتوں کا عجب عالم تھا، جب حضرت مدنیؒ گرفتار ہوئے تو حضرت تھانویؒ پر شدید غم کا اثر ہوا، خود ارشاد فرمایا: مجھے اندازہ نہیں تھا مجھے مولوی حسین احمد سے ایسی محبت ہے، اختلاف کے باوجود اخلاص وصفائی قلب کا حال یہ تھا کہ: حضرت مدنیؒ سے وقت کے دو بڑے باکمال فاضل یعنی مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی بیعت ہوئے، اور انہوں نے ان دونوں کو تھانہ بھون میں پیش کر دیا کہ تعلیم وتربیت حضرت تھانویؒ کریں گے۔

اسی اختلاف کے دور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اپنی کتاب ''الاعتدال فی مراتب الرجال، یا اسلامی سیاست'' تحریر فرمائی، جس میں تفصیل سے بتایا کہ اختلافات کے حدود اور آداب کیا ہوتے ہیں۔

یہ اس سلسلہ کے چند واقعات ہیں جو بس یاد آتے گئے، ورنہ کوئی اگر جمع کرے تو پوری کتاب کا موضوع ہیں، کاش اس مزاج کی پابندی اور اتباع ہم کرسکیں، نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد یہ سمجھ بیٹھی ہے کہ اختلاف میں جس قدر شدت وحدت کا اظہار کر دیا جائے وہ روا ہے، اہل حق سے باہر بھی اسلامی اخوت کا حق ہوتا ہے، کفر کی شر انگیزی کے اس دور میں اسلامی اتحاد کے اپنے تقاضے ہیں، تنقید میں علمی اعتدال بھی ملحوظ رہنا چاہئے، اور اخلاقی معیار کی پابندی بھی لازمی ہے۔

مگر اب تو حالات ناگفتہ بہ ہو گئے ہیں جو منہ میں آیا الزام لگا دیا، جن میں سب سے آسان اعداء اسلام سے مل کر سازش رچنے کا خطرناک الزام ہے، زبان بھی بھونڈی اور رکیک استعمال ہو رہی ہے، نہ کسی کے مقام کا خیال ہے نہ نسبت کا، ذرا سوچئے، یہ کیا علماء اور خادمان دین کا طرز ہے؟ نوجوان علماء کے اس رکیک انداز اختلاف کے بعد کیا عوام میں علماء کا کوئی احترام بچ سکے گا؟ یقیناً آپ کا فرض منصبی ہے کہ دین کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں، انحراف پر نقد کریں، مگر علمی حدود کا خیال ضرور رکھئے اور اخلاقی معیار کی پابندی کیجئے۔

راقم سطور کی ناقص رائے میں تباغض وتنافر کی اس صورت حال کا بڑا سبب یہ ہے کہ علماء صالحین کی رفاقت وصحبت سے مکمل بے پروائی ہے، اخلاق کی اصلاح کی کوئی فکر نہیں، جس کا فطری طریقہ اہل صلاح واخلاق کی صحبت ہے اور کسی درجے میں اس کا بدل اہل اللہ کے حالات ومقالات کا کثرت سے مطالعہ ہے، افسوس علم دین کے حلقوں میں ان چیزوں کی طرف اب توجہ دلانے والے بھی کم ہیں، اس کے بجائے تحریک وہلچل سے شغف زیادہ ہے، **فالی اللہ المشتکیٰ وھو المستعان۔**

اکابرِ تبلیغ تزکیہ وتصوف اور خانقاہیں

اکابرِ تبلیغ اور راہِ سلوک

ہمارے اس زمانے میں جہاں بہت سی نئی چیزیں اور نئے حالات پیدا ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علومِ دینیہ سے ناواقفیت نے بہت بڑی تعداد میں ایسے لوگ پیدا کر دیے ہیں جو مروّجہ تبلیغ کو "مکمل دین" سمجھ بیٹھے ہیں، ان کو دین کے ایک خاص شعبے تصوف، جس میں روحانی وقلبی صفات وکیفیات اور تزکیۂ نفس کی تعلیم دیجاتی ہے، کے دیکھنے اور چکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض ناواقف اس خاص شعبے کے حاملین پر اعتراض کرتے رہتے ہیں اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل تعجب اور موجب حیرت رویۂ بعض ان حضرات کا ہے جو بانیٔ مروّجہ تبلیغ حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب، حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہم کو اپنے اپنے زمانوں میں تبلیغی کارواں کے روحِ رواں مانتے ہیں، ان کا کوئی بیان ان حضرات کے ملفوظات سے خالی نہیں ہوتا، اور اس کے ساتھ تصوف کو تبلیغ سے متصادم کہتے ہیں، حالانکہ جس کسی نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی سوانح "مولانا الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت" (از قلم: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) "ملفوظات حضرت مولانا

محمد الیاس صاحبؒ (مرتب: مولانا محمد منظور نعمانیؒ) ''سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ'' (از قلم: مولانا محمد ثانی حسنیؒ) ''سوانح حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ'' (از قلم: مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ) کا مطالعہ کیا ہو، وہ اس حقیقت سے ضرور واقف ہوگا کہ یہ حضرات سلوک وتصوف کے قائل اور حامل ہی نہیں تھے بلکہ دین کے اس شعبے سے وہ پروان چڑھے اور دعوت وتبلیغ میں جان پڑی (راہ اعتدال: ص ۱۴، ۱۵)۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور راہِ سلوک

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ۱۳۱۴ھ یا ۱۳۱۵ھ کے اوائل میں تحصیل علم کے لئے اپنے منجھلے بھائی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ (والد محترم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ) کے ہمراہ گنگوہ تشریف لائے اور اپنے برادرِ محترم ہی سے تعلیم کا رشتہ استوار کیا، اور یہاں کے دینی وروحانی ماحول خصوصاً حضرت اقدس گنگوہیؒ کی کیمیا اثر صحبت سے بھرپور استفادہ کیا، مولانا علی میاں ندویؒ رقم طراز ہیں: گنگوہ اس وقت صلحاء وفضلاء کا مرکز تھا، ان کی اور خود حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور مجالس کی دولت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شب وروز حاصل تھی، دینی جذبات کی پرورش، نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، مولانا کی دینی اور

روحانی زندگی میں اس ابتدائی (خانقاہی) ماحول کا فیض برابر شامل رہا، انسان کی زندگی میں مقام و ماحول کا اثر قبول کرنیکا جو بہترین زمانہ ہوسکتا ہے مولانا الیاس صاحبؒ کا وہ زمانہ گنگوہ میں گذرا، جب گنگوہ آئے تو دس گیارہ برس کے بچے تھے، جب ۱۳۲۳ھ میں مولانا گنگوہیؒ نے وفات پائی تو بیس سال کے جوان تھے، گویا دس برس کا عرصہ مولانا کی صحبت میں گذرا، مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کامل استاذ اور مربی تھے، وہ اس بات کا خاص اہتمام رکھتے تھے کہ ہونہار بھائی ان صحبتوں اور مجلسوں کے فیوض سے پورے طور پر مستفید ہو، مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت گنگوہیؒ کے خاص فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کردیتے اور کہتے اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو۔ (مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، ص ۵۴)۔

حضرت گنگوہیؒ سے بیعت

مولانا گنگوہیؒ بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے، فراغت و تکمیل کے بعد اس کی اجازت ہوتی تھی، مگر مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے غیر معمولی حالات کی بنا پر ان کی خواہش و درخواست کی بنا پر بیعت کرلیا...... مولانا فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا، حضرت سے کہا تو حضرت تھرّا گئے اور فرمایا مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ نے یہی

شکایت حاجی صاحبؒ سے فرمائی، تو حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ اللہ آپ سے کوئی کام لے گا (ایضاً مع التلخیص ص ۵۴، ۵۵)۔

تجدید بیعت اور دیگر خانقاہی اکابر سے تعلق

حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے رجوع کا مشورہ دیا، چنانچہ آپؒ نے حضرت سہارنپوریؒ سے بیعت ہوکر منازل سلوک طے فرمائے، علاوہ ازیں دیگر علماء ومشائخ سے بھی حضرت مولانا الیاس صاحبؒ برابر استفادہ کرتے رہے، شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور حضرت تھانویؒ سے تو ایسا تعلق اور عقیدت تھی فرماتے تھے کہ یہ حضرات میرے جسم وجان میں بسے ہوئے تھے، اور ان بزرگوں کو بھی حضرت مولانا سے خصوصی محبت اور قلبی لگاؤ تھا، یہ حضرات آپ کے خوف وخشیت اور ورع وتقویٰ سے بخوبی واقف تھے، بسا اوقات اکابر کی موجودگی میں امامت کے لئے آپؒ آگے بڑھا دیئے جاتے، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ کاندھلہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ موجود تھے، نماز کا وقت آیا تو امامت کے لئے آپ کو بڑھایا، مولوی بدرالحسن صاحب خاندان کے ایک بزرگ موجود تھے، انہوں نے از راہِ ظرافت

کہا کہ اتنی بڑی بڑی گاڑیاں اور ایسا ہلکا پھلکا انجن جوڑ دیا، ان حضرات میں سے کسی نے کہا کہ یہ تو انجن کی طاقت پر ہے (مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، مکتبہ تحسوی، ص ۱۶۱)۔

ان بزرگ نے یہ بات اس لئے کہی کیونکہ حضرت جیؒ خلقۃً نحیف ونزار اور ہلکے پھلکے بدن کے تھے۔ مگر تصوف وسلوک اور خشیت وروحانیت میں ان کا پایہ بڑا ہی بلند تھا۔

تصوف وسلوک کے تعلق سے حضرت جیؒ کے بعض فرمودات وارشادات

اگر ہم حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کے ملفوظات وارشادات کو دیکھیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ آپ متعدد مواقع پر اصلاحِ نفس، تزکیۂ قلوب اور ذکر وفکر کی تلقین کیا کرتے اور بڑوں کے زیر سایہ کام کو لے کر چلنے کی ترغیب دیتے تھے، ایک موقع پر فرماتے ہیں: ہمارے اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینی چاہئے کہ تبلیغی جماعتوں میں نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا ہی نہیں ہے بلکہ اس ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم وتربیت بھی مقصود ہے، لہذا نکلنے کے زمانے میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے، علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں ہے، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ علم وذکر میں یہ مشغولیت اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت ونگرانی ہو، انبیاء علیہم السلام کا علم وذکر اللہ تعالیٰ کے زیرِ ہدایت

تھا، اور صحابۂ کرام حضور ﷺ سے علم و ذکر لیتے تھے اور حضور ﷺ ان کی پوری پوری نگرانی فرماتے تھے، اس طرح ہر زمانے کے لوگوں نے اپنے بڑوں سے علم و ذکر لیا اور ان کی نگرانی اور رہنمائی میں تکمیل کی، ایسے ہی آج بھی ہم اپنے بڑوں کی نگرانی کے محتاج ہیں ورنہ شیطان کے جال میں پھنس جانے کا بڑا اندیشہ ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص ۸۸ ملفوظ ۱۳۴ طبع مکتبہ رحمانیہ دہلی)۔

علم و ذکر کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں

ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں: ہمارے سب کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ تبلیغ کے لئے باہر جانے کے زمانہ میں بالخصوص علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں، علم اور ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں، نیز علم اور ذکر کی تحصیل و تکمیل اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو، انبیاء علیہم السلام کا علم و ذکر اللہ تعالیٰ کے زیرِ ہدایت اور اس کے علم کے ماتحت ہوتا تھا، اور حضرات صحابہ کرامؓ کا علم و ذکر رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے ماتحت ہوتا تھا، اور آپ کی نگرانی میں ہوتا تھا، پھر ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے اس قرن کے اہل علم اور اہل ذکر گویا رسول اللہ ﷺ کے خلفاء ہیں، لہذا علم و ذکر میں اپنے بڑوں کی نگرانی سے استغناء نہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ خاص کر باہر نکلنے کے زمانہ میں صرف اپنے خاص مشاغل میں اشتغال رہے اور دوسرے تمام مشاغل سے یکسو

رہا جائے اور وہ خاص مشاغل یہ ہیں(۱) تبلیغی گشت (۲) علم(۳) ذکر (۴) دین کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے والے اپنے ساتھیوں کی خصوصاً اور عام خلق اللہ کی عموماً خدمت کی مشق (۵) تصحیح نیت اور اخلاص واحتساب کا اہتمام، اور اصلاحِ نفس کے ساتھ بار بار اس اخلاص واحتساب کی تجدید (ایضاً ص۱۱۶،۱۱۷ ملفوظ ۱۷۲)۔

ایک متعلق کو ذکرِ خفی کی تلقین

ایک مکتوب میں اپنے ایک مسترشد کو ذکرِ خفی اور احتسابِ نفس کی تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جس وقت طبیعت سست ہوا کرے اپنے ضعف ہی کے ساتھ قبر کا دھیان، قیامت کے حساب وکتاب کا دھیان، دوزخ وجنت کا اکثر فکر اور حق تعالیٰ کے انعامات اور فضل کا دھیان کرتے ہوئے ذکر خفی شروع کر دیا کرو، انشاء اللہ تعالیٰ کچھ دنوں میں سستی رفع ہو جائے گی، معلوم نہیں اوراد کی مداومت میں تمہارا کیا حال ہے؟ ذکر کو غفلت اور بے دھیانی سے کرنے سے بھی سستی بڑھتی ہے، اللہ کے نام پاک کو غفلت و بے حرمتی سے لینا بعض بزرگوں نے حرام لکھا ہے، اور بعض نے بدعت کہا ہے (ارشادات ومکتوبات ص۱۳۹ مرتب افتخار فریدی)۔

تین چیزوں کے مجموعہ کا نام تصوّف ہے

فرمایا: طریقت (تصوف) تین چیزوں کا مجموعہ ہے، صحبت، آداب وعظمت کے ساتھ (نفس کے حقوق) حظوظ سے محفوظ ہوں اور اللہ کے حکم کے ماتحت نگہداشت ہو، تیسرے ذکر کی پابندی بیدار دلی اور ضیاء الٰہی کے ساتھ،

مشقت کے ساتھ کرلے، ایک دوسرے ملفوظ میں فرماتے ہیں: عمل بلاصحبت اور صحبت بلاعمل خطرے سے خالی نہیں (ایضاً رص ۳۲)۔

اہلِ خانقاہ کی صحبت سے مستفید ہوں

علماء ذاکرین (اہل خانقاہ) کی صحبت سے فیضیاب ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: کہ علم وذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضے میں نہیں آیا، اس کی مجھے بڑی فکر ہے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ رص ۴۵ رملفوظ ۵۴)۔

فرمایا: اولیاء اللہ کے پاس جانا خدا کے واسطے، کہ لُبابِ دین ہے، اس سے علم کے چشمے جاری ہوجاویں گے۔

فرمایا: ذکر کے معلوم کرنے کے لئے کسی اللہ والے کے پاس جاؤ۔

ذکر اللہ کی کثرت اور اصلاحِ نفس کی ترغیب

فرمایا: چوبیس گھنٹے میں ذکر اور علم کے لئے وقت متعین کرو، اس کو خاص مناسبت ہے اس کام سے۔ فرمایا: تنہائیوں میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر (۲) دنیا میں اس کو پھیلانا (۳) یہ تصور کرلیا کرو کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کوئی بیکار نہ تھی، ان کے فرمان کی قدر کرو، ان تین چیزوں کی خاصیت یہ ہے کہ جس قدر ان کی قدر کروگے یہ سارے دین کو سمجھا دیویں گی اور آسان کردیں گی۔

فرمایا: تیرا سب سے زیادہ جو دشمن ہے وہ تیرا نفس ہے، کفار کی دشمنی محدود اور نفس کی دشمنی غیر محدود ہے۔

فرمایا: ذکر خلوص کے ساتھ اور دل کو علائق سے صاف کر کے کرے تو کیا ہی عمدہ بات ہے، اگرچہ تھوڑا ہو، ایک موقع پر قواعدِ تبلیغ کی وضاحت کرتے ہوئے تین امور ذکر فرمائے (۱) راتوں کو ذکر سے اللہ تعالیٰ کے یہاں رو رو کر بہت اونچی اونچی دین کی باتوں کو اللہ تعالیٰ سے مانگنا (۲) پھر دن میں ان ہی باتوں کا مشورہ کرنا (۳) پھر اس کی کوشش عام مخلوق میں کرنا۔

فرمایا: تبلیغ سے مراد اپنی اصلاح ہے دوسرے کی ہدایت کا ارادہ نہ کرے۔

فرمایا: اپنے دل میں اتارنے کے لئے اٹھو، دوسروں کی ہدایت کیلئے نہ اٹھو۔

فرمایا: تنہائیوں میں اور شبوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر دھیان سے کرنے سے حکمت کے چشمے جاری ہو جاویں گے۔

فرمایا: جب تک ذکر سے دل کو چین نہیں ہوتا ہم سے دوسروں کو ہرگز چین نہیں ہو سکتا، اس کا طریقہ یہی ہے کہ تنہائیوں میں پچھلی شبوں میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرو، اس سے چین ہوگا، پھر تمہارے کہنے کا اثر دوسروں کے دل کو چین دے گا اور اس کا اثر ہوگا، کسی کی تحقیر نہ کرو۔

اکابر علم کو مع عمل لئے بیٹھے ہیں

ایک ملفوظ میں صحبتِ صالحین کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ

نے اپنی محبت کی آزمائش اپنے امر کے ذریعے سے برخلاف نفس کے حکموں کے آزمائی ہے، تو اللہ کے امروں کو تلاش کرو اس کے بغیر زندگی نہیں، دینی امروں کی تلاش کا نام طلبِ علم ہے، گویا طلب علم فرض ہے، اس طرق کے ساتھ گھروں سے طلبِ علم کے لئے بے طلبوں میں نکلو اور ان کو طلب کی دعوت دو، اور طلب والوں کو علم کی دعوت دو، اور علم ملے گا بزرگوں کی صحبت سے، وہ حضرات علم کو مع عمل کے لئے بیٹھے ہیں، وہ خزانہ ہیں علم وعمل کا۔

ذکر اور تقویٰ کی حقیقت

فرمایا: صفات محمودہ کی حیات، ذکر، زہد، تقویٰ، توکل (اور) صفاتِ ذمیمہ کی موت ذکر ہے۔

فرمایا: ذکرِ نفلی کی یہ خوبی ہے، اللہ کہتا ہے کہ میں اس بندہ کا کان ہو جاتا ہوں، ہاتھ ہو جاتا ہوں، اور جب فرض ذکر کیا جاوے گا تو اللہ کی دَین کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے۔

فرمایا: ہر جلیس کی صحبت کا اثر ہوا کرتا ہے، لہذا اس سے غفلت دور ہوگی، جب غفلت دور ہوگی تو اللہ کے امروں کو اللہ کی رضا کے موافق صحیح نیت کے ساتھ کرنے کی طاقت ہو جاوے گی، وہ طاقت خواہشات کو دباتی رہے گی، اس طاقت کا نام تقویٰ ہے۔

فرمایا: اللہ کے ذکر کو تنہائیوں میں اتنا مضبوط کرو کہ مجمعوں میں اس

کے اثرات ہونے لگیں۔

چوبیس گھنٹے خانقاہ ومدرسہ والا کام کرنا ہے

فرمایا: چوبیس گھنٹے وہ کام جو خانقاہوں اور مدارس میں ہوتا ہے کرنا ہے اور اسی میں کچھ وقت لوگوں میں دعوت دینے میں۔

فرمایا: جب تک چوبیس گھنٹے میں کوئی وقت ذکر کا مقرر نہیں کریں گے یہ تبلیغ جڑ نہیں پکڑ سکتی۔

ذکر علم وعمل کا محافظ ہے

ایک موقع پر ذکر کو علم وعمل کا محافظ قرار دیتے ہوئے فرمایا: عمل اور علم کی پونجی کو چور چرا لے جاوے گا جب تک ذکر کے چراغ سے اس کو محفوظ نہ رکھا جاوے، ورنہ شیطان چور، لایعنی کی آندھی سے اس کو بجھا کر اس کو چرا لے جاوے گا (ارشادات ومکتوبات مرتب: افتخار فریدی)۔

مولاناؒ کے نزدیک راہِ سلوک ضروری بھی تھا اور آسان بھی

فرماتے ہیں: جو چیز دین میں جس درجہ ضروری ہوگی وہ اسی درجہ میں سہل اور آسان ہونی چاہئے، پس تصحیحِ نیت اور اخلاص چونکہ دین میں نہایت ضروری ہے، بلکہ وہی سارے امورِ دین کی روح ہے، اس لئے وہ بے حد سہل ہے، اور یہی اخلاص للہ چونکہ سارے ''سلوک'' اور ''طریق'' کا حاصل ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ سلوک بھی بہت آسان چیز ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۲)۔

ذکر کا معمول اور اہتمام

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے یہاں دوسروں کو ذکر کی ترغیب اور تاکید کرنے کے ساتھ خود بھی ذکر کا بڑا اہتمام تھا، تادمِ آخر ذکر و شغل آپ کا معمول رہا، حضرت شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں: ''میں نے اپنے اکابر میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کو شدید بیماری سے کچھ پہلے تک اور حضرت شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور اپنے چچا جان (حضرت مولانا الیاس صاحبؒ) کو دیکھا کہ بہت اہتمام سے ''ذکر بالجہر'' کرتے رہے، اور مشائخِ سلوک کا تو یہ مقولہ مشہور ہے کہ ''جس چیز کی برکت سے یہاں پہونچے اب اس کو چھوڑتے ہوئے شرم آتی ہے'' (آپ بیتی قسط ۵/۱۶۲)۔

مولانا سید محمد شاہد صاحب زید مجدہم رقمطراز ہیں: مرض الوفات تک آپ (مولانا محمد الیاس صاحبؒ) کا معمول ذکر بالجہر کا نہیں چھوٹا، تمام سال تہجد کے بعد ذکر کیا کرتے تھے اور ماہِ مبارک میں عصر سے مغرب تک، ذکر کرتے وقت ان کے ذکر میں ایسی حلاوت و تراوٹ محسوس ہوتی تھی کہ سننے والوں کو بھی بہت صاف محسوس ہوتی تھی، اجتماعی معمولات کے ساتھ انفرادی و شخصی معمولات کی بھی اپنے خدام و مقیمینِ مرکز کو آخر تک تاکید و ہدایت فرماتے رہے (سوانح مولانا محمد انعام الحسنؒ ۱/۶۴-۶۵)۔

تبلیغی جماعت کا خانقاہوں سے ربط

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے نزدیک تبلیغی کام شروع کرتے

وقت یہ بات خاص طور سے پیشِ نظر تھی کہ اس تحریک کی برکت سے مدارس کو زیادہ سے زیادہ طلباء اور خانقاہوں کو زیادہ سے زیادہ مرید ملیں۔

مرض الوفات میں ایک روز مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے فرمایا: ''ہماری تحریک یہی ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گُنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گُنی زیادہ خانقاہیں قائم ہو جائیں'' (مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت رص ۲۵۷ رطبع سحیوی)۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنی حیات میں جن مقامات میں خانقاہوں کا قیام تھا مثلاً رائے پور اور تھانہ بھون ان علاقوں کی طرف جماعتوں کا رخ بنایا اور یہ تاکید فرمائی ''بزرگوں کی مجلسوں میں تبلیغ کا ذکر نہ کریں ۵۰/۶۰ر آدمی ماحول کے دیہاتوں میں گشت کریں اور آٹھویں روز قصبہ میں جمع ہو جائیں، پھر وہاں سے دیہات کے لئے تقسیم ہو جائیں، حضرات اکابر کی طرف سے اگر کچھ پوچھا جائے تو بتلا دیا جائے، از خود کچھ ذکر نہ کیا جائے (مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت رص ۱۱۵ رطبع سحیوی، سہارنپور)۔

جماعتوں کو خانقاہی نظام سے جوڑنا مولاناؒ کی پرانی تمنا تھی

حضرت شیخ الحدیثؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: ''میری ایک پرانی تمنا ہے کہ خاص اصولوں کے ساتھ مشائخ طریقت کے یہاں یہ جماعتیں آدابِ خانقاہ کی بجا آوری کرتے ہوئے خانقاہوں میں فیض اندوز ہوں، اور جس میں باضابطہ خاص وقتوں میں حوالی کے گاؤں میں تبلیغ بھی جاری رہے، اس

بارے میں ان آنے والوں سے مشاورت کرکے کوئی طرز مقرر فرمارکھیں، یہ بندہ ناچیز بھی اس ہفتہ بہت زیادہ اغلب ہے کہ چند رؤسا کے ساتھ حاضر ہو، دیوبند اور تھانہ بھون کا بھی خیال ہے'' (ایضاً)۔

حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب گوریؒ لکھتے ہیں: ایک مجلس میں حضرت مولانا نے فرمایا جس میں میں بھی موجود تھا: میرا مقصد اس دعوت وتبلیغ سے یہ ہے کہ لوگ اس کے بعد تعلیم کی ضرورت محسوس کریں تاکہ معلمین کے پاس جاکر وہ علم دین سیکھیں اور مشائخ کے پاس جاکر اپنے اخلاق کی تربیت کرائیں، ہم نے تو صرف یہ جذبہ پیدا کردیا کہ اپنے اخلاق درست کرو (دو اہم مسئلے، ص ۳۵)۔

اس سے انداہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ جماعت وتبلیغ کو خانقاہوں سے اور اہلِ علم سے کس قدر مربوط رکھنا چاہتے تھے، افسوس کہ آج دعوت وتبلیغ سے منسلک بعض حضرات کا ذہن یہ بن گیا ہے کہ جو علماء اور اہلِ خانقاہ جماعتی پروگرام سے وابستہ ہیں وہ اپنے ہیں اور جو وابستہ نہیں ہیں وہ اجنبی اور بیگانے ہیں، پھر چاہے وہ کسی دینی ادارے کے منصب شیخ الحدیث پر فائز ہوں، یا کسی خانقاہ میں عوام الناس کی اصلاح اور راہِ سلوک طے کرانے میں مصروفِ عمل ہوں۔

خانقاہی نظام سے تعلق اور تزکیۂ نفس کی فکر

حضرت مولاناؒ خود بھی خانقاہی نظام سے بڑا گہرا ربط رکھتے تھے اور

تزکیۂ نفس کی بڑی فکر رکھتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں ''چچا جان قدس سرہ کا مستقل ایک معمول یہ تھا، اور بڑی باریک بات ہے کہ جب کسی تبلیغی اجتماع سے واپس آتے تو ایک سفر رائے پور کا ضرور فرماتے، ورنہ کم از کم سہارنپور کا اور اگر دونوں کا موقع نہ ہوتا تو تین دن کا اعتکاف اپنی مسجد میں فرمایا کرتے تھے، اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جلسوں کے زمانے میں ہر وقت مجمع کے درمیان رہنے کی وجہ سے طبیعت اور قلب پر ایک تکدّر پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے دھونے کے واسطے یہ کرتا ہوں''۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں: میں یہ مضمون لکھوا رہا تھا کہ اتفاق سے مولانا منظور نعمانی صاحب زاد مجدہم دیوبند سے تشریف لائے اور اس وقت تشریف فرما بھی ہیں، انہوں نے فرمایا کہ یہ مضمون خود حضرت دہلویؒ کے ملفوظات میں خود ان کا ارشاد بلفظہٖ منقول ہے، چنانچہ حضرت چچا جان کے ملفوظات منگوائے گئے جس کے الفاظ یہ ہیں ''فرمایا: مجھے جب میوات میں جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہلِ خیر اور اہلِ ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں، پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اسے غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے سہارنپور یا رائے پور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا، دوسروں سے کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ: دین کے کام کے لئے پھرنے والوں کو چاہئے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر و فکر کے ذریعہ دھویا کریں (آپ بیتی قسط ۴/۱/۴۶۵-۴۶۶)۔

مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ اور راہِ سلوک

حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کا سلوک وطریقت سے بڑا ہی گہرا ربط تھا، آپ کی باطنی نسبت بڑی قوی تھی، اس دور کے اہلِ تبلیغ کے لئے جس کا سمجھنا اور تسلیم کرنا بھی مشکل ہے، لیکن اس کی شہادت دعوت وتبلیغ کے عظیم مبلغ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ کی زبانی ہم ذیل میں ذکر کریں گے، فرماتے ہیں: ''میرے بزرگو اور دوستو! اولاً میں یہ سمجھتا تھا کہ (حضرت جی ثانی) مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو تصوف سے کیا تعلق؟ یہ تو یوں ہی ہیں، لیکن جب ان کی تقریر میں حاضری ہوئی ہے تو دیکھا کہ ان کی تقریر سے ہی بڑے بڑے مشائخ اور اولیاء اللہ کے قبض دور ہو جاتے۔

قبض وبسط اہل تصوف کی اصطلاح ہے، بعض اوقات سالک کو عجیب وغریب انشراح اور کیفیات محسوس ہوتی ہیں، یہ بسط کہلاتا ہے، بعض اوقات یہ کیفیات ایسے دب جاتی ہیں جیسے کچھ بھی نہ تھا، یہ قبض کہلاتا ہے (تصوف وسلوک ۲۲۳)۔

نیز فرماتے ہیں کہ: بھاولپور کے ایک بڑے پیر تھے، انہوں نے بتلایا کہ ایک بار حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، اس سے ہی ان کا قبض دور ہو گیا (مواعظ عبیدیہ ۵۴۳/۱، ۵۴۴)۔

دعوت کے اس عظیم داعی کی یہ شہادت حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے راہِ سلوک سے تعلق اور ان کی روحانی وباطنی قوت کو بیان کرنے کیلئے کافی ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی اِمارت میں صاحبِ نسبت ہونے کا دخل

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ امیر جماعت قرار پائے ، آپ کی امارت وخلافت میں جہاں دیگر عظیم اوصاف وکمالات کا دخل تھا وہیں ایک اہم وصف صاحب نسبت ہونا اور راہِ سلوک سے تعلق بھی تھا، حضرت شیخ فرماتے ہیں ’’چچا جان (مولانا محمد الیاس صاحبؒ) نور اللہ مرقدہ نے اپنے سے مایوسی کی حالت میں وصال سے دو تین دن پہلے اس سیہ کار سے کہا کہ میرے آدمیوں میں چند لوگ صاحبِ نسبت ہیں، عزیزم مولانا محمد یوسف صاحب، قاری داؤد صاحب، سید رضا صاحب بھوپالی، مولانا انعام صاحب ، ان کے علاوہ حافظ مقبول صاحب اور مولوی احتشام صاحب کو اس سے پہلے اجازت ہوچکی تھی ، چچا جان نے فرمایا: میرے بعد ان میں سے کسی ایک کو مولانا رائے پوریؒ (شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ) کے مشورہ سے بیعت کے لئے تجویز کردو، میری (شیخ علیہ الرحمہ کی) رائے حافظ مقبول حسن صاحب کے متعلق تھی کہ ان کو بہت پہلے سے خلافت ملی تھی ......مگر حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کی رائے عالی عزیزم مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تھی ......میں نے چچا جان نور اللہ مرقدہ سے پوری بات عرض کردی، چچا جان نے حضرت اقدس رائے پوریؒ کی تصویب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ’’میرا بھی یہی

خیال ہے کہ میوات والے جتنے یوسف پر جمع ہوسکتے ہیں کسی اور پر نہ ہوں گے''میں نے چچاجان نور اللہ مرقدہ کی طرف سے ایک پرچہ لکھا جس میں لکھا کہ ''میں ان لوگوں کو بیعت کی اجازت دیتا ہوں، چچاجان نور اللہ مرقدہ نے میری تحریر کے بیچ میں ''میں ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اجازت دیتا ہوں'' یہ جملہ بڑھوا دیا (آپ بیتی ۴،ص ۱۸۱، ۱۹۲)۔

یہاں پر یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دل میں اہل ذکر اور علماء ومشائخ کا کس قدر احترام اور ان حضرات پر کتنا اعتماد تھا، حتیٰ کہ اپنے بعد دعوت وجماعت کا امیر مقرر کرنے کیلئے دعوت کے پرانے اور تجربہ کار حضرات کے بجائے یہ ذمہ داری حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کے سپرد فرمائی، یہ حضرات خالص اہل ذکر اور خانقاہی مشائخ میں تھے۔

والدِ محترم سے بیعت ہونا

۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں مولانا محمد یوسفؒ اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بیعت ہوئے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے توجہ دلانے پر یہ مبارک عمل وجود میں آیا تھا، بیعت کے بعد حضرت مولانا نے آپ کو ''پاس انفاس'' کی تعلیم دی اور روزانہ تین ہزار مرتبہ ''اسم ذات'' تلقین فرمایا، یہ روحانی تعلق قائم ہونے کے بعد آپ کی عالی حوصلگی اور نسبت واستعداد میں

روز بروز اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے ایک موقع پر حضرت مولانا علی میاںؒ سے فرمایا کہ یہاں جتنے لوگ رہتے ہیں ان سب میں یوسف کی استعداد اعلیٰ ہے (سوانح مولانا محمد انعام الحسن جلد اول/ص:۸۷)۔

اجازت وخلافت

۱۳۶۳ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے انتقال سے دو روز پہلے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو اجازت وخلافت عطا فرمائی (سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ/ص۲۰۷)۔

حضرت جی ثانی کا طریقۂ بیعت

حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی وفات کے بعد بیعت وارادت کا سلسلہ شروع فرمایا، ان کے طریقۂ بیعت کے متعلق حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں: آپ کا طریقۂ بیعت یہ تھا کہ سب سے پہلے بیعت کی حقیقت واہمیت، اس کے آداب، اس کی ذمہ داریاں اور اس کے فضائل بیان فرماتے، اس کے بعد عام طریقۂ بیعت سے کام لیتے، پھر دینی دعوت کے فضائل سنا کر اس کے لئے مرمٹنے اور اوقات دینے کا عہد کراتے...... حضرت مولانا بیعت کے الفاظ اپنے خاص انداز اور مؤثر لہجے میں فرماتے، مکبّرین ان کو دوہراتے، پھر پورا مجمع بلند آواز سے ان کو کہتا، پوری فضا گونج اٹھتی اور مسجد کے اندر باہر کے حصوں میں ارتعاش پیدا

ہو جاتا، ہچکیاں بندھ جاتیں، اور سارا مجمع خواہ بیعت ہونے والوں میں ہو یا نہ ہو سب ہی ان الفاظ کو بے اختیار دوہرانے لگتے (سوانح مولانا محمد انعام الحسن، ۱/ص۱۰۰،۱۰۱)۔

رمضان المبارک کا اعتکاف

ماہِ مبارک کا اعتکاف ہمارے اکابر ومشائخ کا مستقل معمول رہا ہے، دعوت وتبلیغ کے ہمارے اکابر نے اپنی تمام تر دعوتی مصروفیات کے باوصف اس کا اہتمام کیا ہے، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ بھی بقول مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ ''ان ہی خاصانِ خدا میں تھے جو اس ماہ سے پورا پورا لطف وسرور حاصل کرتے اور، دعوتی مشاغل کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت، تسبیحات، اوراد ووظائف کا کچھ زائد ہی اہتمام فرماتے تھے، نیز تصنیف وتالیف کا اوسط اس ماہ میں پورے سال کے مقابلہ میں بڑھ جایا کرتا تھا''۔

حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور راہِ سلوک

مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی وفات کے بعد آپ دعوت وجماعت کے تیسرے عالمی امیر قرار پائے، خانقاہی اعمال واشغال اور سلوک وتصوف سے حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کا بھی بڑا ہی گہرا اور مضبوط ربط تھا جس کا اندازہ آئندہ سطور سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

بیعت وارادت

آپ ۱۹۳۰ء (۱۳۴۹ھ) میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں نظام الدین پہنچ گئے تھے اور اسی وقت سے گویا آپ کے زیرِ تربیت تھے، لیکن بیعت کا تعلق تقریباً پانچ چھ سال بعد قائم کیا، خود فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک بڑے حضرت جی سے بیعت نہیں ہوئے تو فرمایا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ تم دونوں (مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن) بیعت ہوچکے ہوں گے، بہر حال اب دیر نہ کرو، چنانچہ ہم لوگوں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے منظور فرما کر پہلے خود غسل فرمایا اور پھر خوشی کے ساتھ بیعت فرمالیا، اور فرمایا "اللہ مبارک کرے اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے"۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بیعت کے بعد دونوں حضرات کو پاس انفاس تعلیم فرما کر مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو اسمِ ذات تین ہزار اور مولانا انعام

الحسن صاحبؒ کو بارہ ہزار تلقین فرمایا، اس کے علاوہ اورادِ مسنونہ حزب الاعظم اور حصن حصین پڑھنے کی تاکید کی'' (مستفاد سوانح مولانا انعام الحسنؒ ج۱رص۲۲۲رمطبوعہ یادگارِ شیخ سہارنپور)۔

حضرت جی ثالث اور ذکر کا اہتمام

''بیعت کے ذریعہ روحانی تعلق قائم ہونے کے بعد آپ نے اس راہ میں بڑی جانفشانی بلکہ جاں سوزی اور جانکاہی کا ثبوت دیا، اور اپنے آپ کو ہمہ تن دعوت وتبلیغ اور اذکار واوراد میں مصروف ومشغول کردیا، ذکر اسم ذات جس کی ابتداء بارہ ہزار سے ہوئی تھی آہستہ آہستہ بڑھا کر ستر ہزار کی مقدار تک پہنچادیا، ایک طویل عرصہ تک یہ معمول رہا کہ مقبرہ ہمایوں میں (جو قریب ہی میں قلعہ نما ایک عمارت ہے) چلے جاتے اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر اپنا ذکر اور معمولات پورے کرتے، بسا اوقات یہ نشست سات سات گھنٹے طویل ہوجاتی تھی، اس طویل نشست میں ذکر خفی اور پاس انفاس پر پوری توجہ صرف فرماتے، معمولات میں آپ کا ایک محبوب ترین عمل اور وظیفہ تلاوتِ قرآن پاک بھی تھا، جس کی یومیہ مقدار پندرہ سولہ پارے ہوجاتی تھی، ماہِ رمضان میں تلاوتِ قرآن پاک میں غیر معمولی بلکہ محیر العقل حد تک اضافہ ہوجاتا، حضرت شیخ کی تحریر کے مطابق ایک مرتبہ رمضان المبارک میں اکسٹھ قرآن پاک آپ نے ختم فرمائے تھے'' (ایضاً ملخصاً ج۱ر۲۲۳۔۲۲۴)۔

اجازت وخلافت

تزکیہ وتربیت اور راہِ سلوک میں متعدد مراحل سے گذارنے کے بعد حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے مولانا انعام الحسن صاحبؒ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے اپنی حیات کے آخری دن ۱۲ر جولائی ۱۹۴۴ء چہار شنبہ میں علماء ومشائخ کی موجودگی میں ان چھ اصحاب کو اجازت دی، اس موقع پر حضرت مولانا نے پانچوں اصحاب کے بارے میں اپنا وجدان وانشراح اور اپنے تاثرات بھی ارشاد فرمائے تھے، مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے بارے میں ان الفاظ کے ساتھ اپنا تاثر ظاہر فرمایا کہ ''مولوی انعام بھی بہت اچھے ہیں **انہوں نے بھی ذکر وشغل بہت کیا ہے**، یہ بھی اسی قبیل سے ہیں البتہ علم کا احترام زیادہ ہے''۔

دعوت کی امارت اور سلسلۂ بیعت

حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی وفات کے بعد حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اکابر اور جماعتی احباب سے مشورہ کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کو تبلیغی ودعوتی امور کا ذمہ دار اور امیر بنایا اور پھر عمومی اعلان ہوکر بحیثیتِ جانشین آپ نے لوگوں کو بیعت کیا (سوانح مولانا انعام الحسن صاحبؒ ج ۱ ص ۲۷۴)۔

''حضرت مولانا کا دورِ امارت اس اعتبار سے بھی بڑا عہد آفریں اور

انقلاب انگیز ہے کہ اس میں ایک خلق کثیر نے آپ سے عقیدت وارادت اور رشد و ہدایت کا تعلق قائم کر کے اپنے دامن کو آپ کے دامن سے وابستہ کیا اور پھر آپ سے روحانی وایمانی تربیت حاصل کی، عہد امارت کے پورے بتیس سالہ دور میں عوام وخواص کے طبقات کا جس انداز سے آپ کی طرف رجوع ہوا اس سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے قائم کردہ اس سلسلۂ روحانیت کو تمام طبقات میں ایسی زبردست وسعت وہمہ گیری حاصل ہوئی کہ آج ''بیعت کی ہم نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ہاتھ پر انعام کے واسطے سے'' کی گونج دنیا کے تمام براعظموں میں سنائی دے رہی ہے'' (ایضاً ج۳رص۳۳۰)۔

حضرت جی ثالث اور شریعت وطریقت

اپنے تمام اکابر ومشائخ کی طرح حضرت مولانا بھی شریعت اور طریقت (تصوف وراہِ سلوک) کو دو الگ الگ چیزیں نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی ان کے درمیان کسی تفریق یا حد فاصل کے قائل تھے، بلکہ وہ شریعت کو احکاماتِ خداوندیہ کا ظاہری حصہ اور طریقت کو احکاماتِ خداوندیہ کا باطنی حصہ سمجھتے تھے اور اپنی عمومی وخصوصی مجالس میں گاہ بگاہ اس کی توضیح وتشریح بھی فرمادیا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ بنگلور کے اجتماع میں فرمایا کہ: احکاماتِ خداوندیہ دو طریقے کے ہیں، ایک وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، معاملات میں بیع وشراء ان کے احکام ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں، اور دوسرے احکامات وہ ہیں جو

انسان کے باطن سے تعلق رکھتے ہیں، باطن کے احکامات جیسے تقویٰ ہے، زہد ہے، رضا بالقضاء ہے، صبر وشکر ہے، حلم ہے، بردباری ہے، عفو ہے، تواضع ہے، انکساری ہے، یہ بھی احکامات ہیں خدائے پاک کے، انہیں طریقت کہا جاتا ہے، **طریقت (تصوف) کوئی شریعت سے الگ چیز نہیں ہے، وہی احکامات جو شریعت نے ظاہر کے دے رکھے ہیں وہی احکامات باطن کے بھی ہیں، دونوں احکامات کے پورا کرنے میں لگنا یہ ہے شریعت وطریقت۔**

ایک طبقہ وہ ہے جو باطن کے احکامات پورا کرنے میں، اس کے سدھارنے میں، اس کو اپنے اندر لانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، وہ اولیاء کرام کہلاتے ہیں (ایضاً ملخصاً ص۳۳۵۔۳۳۷)۔

حضرت جی ثالثؒ نے شریعت وتصوف کے باہمی تلازم، ان دونوں پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب اور خانقاہی اکابر کی راہِ سلوک وتصوف میں جن کوششوں کو سراہا ہے وہ ہمارے اس دور کے ان اہل تبلیغ اور دعوت کے ساتھیوں کے لئے لمحۂ فکر یہ ہے جو اہلِ خانقاہ کی مساعی اور سلوک وتصوف کو دین کی محنت کے دائرے سے باہر کی چیز سمجھ بیٹھے ہیں، ایسے حضرات کیلئے مولانا انعام الحسن صاحبؒ کا یہ ملفوظ بھی قابل توجہ ہے ''ظاہر وباطن کے دونوں احکامات کو لے کر چلنا یہی انسان کی اصل ذمہ داری ہے، اور اگر ظاہر کے احکامات پر محنت کرنے میں اپنی باطنی احکامات کی کوشش نہیں کی تو اس سے رذائل پیدا ہو جاتے ہیں'' **اگر ہم اپنے باطنی احکامات کو پورا**

کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو پھر یہ باطنی منہیات ابھریں گے اور یہ منہیات ابھریں گے تو پھر ظاہر کے احکامات کی بھی جان نکل جائے گی"۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کا طریقۂ بیعت

حضرت مولانا کی بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ ایک بڑی رسّی (اور کبھی بڑا رومال یا چادر وغیرہ) کا ایک سِرا اپنے ہاتھ میں تھام لیتے اور بیعت ہونے والے اس کو اپنے دونوں ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑ لیتے، بعد ازاں آپ چند کلمات بیعت کی حقیقت پر فرما کر خطبۂ مسنونہ پڑھتے، پھر عہد و پیمان کراتے، اس کے بعد پڑھنے کے لئے اوراد و ظائف بتلا کر دعا کرا دیتے۔

معمولات کی پابندی اور اہتمام کی ترغیب

حضرات اہل اللہ کا مقصد بیعت کے ذریعہ محض اپنے حلقۂ ارادت کو وسیع کرنا نہیں ہوتا بلکہ بندگانِ خدا کو خدا سے جوڑنے کی بھرپور کوشش اور فکر ہوتی ہے، دیگر تمام مشائخ کی طرح حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ بھی اس بارے میں بڑے فکر مند تھے، مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ العالی رقم طراز ہیں "حضرت مولانا اپنے سے تعلقِ بیعت رکھنے والوں کو معمولات میں سستی و کاہلی سے بچنے پر نیز یکسوئی کے ساتھ دعوت و دعاء، تلاوت و نوافل اور ذکر و استغفار میں لگے رہنے پر بھرپور انداز سے متوجہ فرماتے تھے، اور اس راہ کی محنت و مجاہدے پر ہمت بندھاتے ہوئے بتدریج ان کو آگے بڑھاتے رہتے تھے۔

جو لوگ حضرت مولانا سے سلسلۂ ارادت قائم کر لیتے ان کے بارے میں آپ کی پوری کوشش اور توجہ یہ رہتی کہ وہ اپنے اجتماعی اور انفرادی معمولات پورے اہتمام کے ساتھ ادا کریں، اس میں کسی قسم کی سستی اور غفلت نہ آنے دیں، **فرماتے تھے کہ اجتماعی معمولات، انفرادی معمولات کے لئے معین ومددگار بنتے ہیں اور انفرادی معمولات کی پابندی واہتمام اجتماعی معمولات کے اندر قوت وطاقت پیدا ہونے کا سبب ہے،** اسی طرح فرمایا کرتے تھے کہ دن میں وجود میں آنے والے اجتماعی اعمال (گشت، دعوت وغیرہ) کے لئے رات میں انفرادی اعمال (ذکر، گریہ وزاری، اور دعاء) کا ہونا بے حد ضروری ہے، اگر اس میں کچھ کمی کوتاہی ہو جائے تو توبہ واستغفار سے اس کو پورا کر لیا کریں۔

سلوک وتصوف کے تعلق سے آپ کے چند مکتوبات

خط وکتابت کے ذریعہ بھی آپ اپنے مریدین ومنتسبین کی راہِ سلوک میں رہنمائی فرماتے اور اصلاحِ حال کی طرف برابر توجہ مبذول کرایا کرتے تھے، ہم یہاں آپ کے مکتوبات سے چند اقتباسات تحریر کرتے ہیں، جن سے مریدین پر آپ کی شفقت اور حسنِ اعتدال کے ساتھ لے کر چلنے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

ایک طالب علم کو تحریر فرماتے ہیں ''صحابۂ کرام کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے، اب زیادہ سوچنا چھوڑ دو تبلیغ کے کام کو بھی پورے اصول سے شروع

کردو اور اپنی تعلیم میں مصروف ہو جاؤ، ورنہ کہیں تم اس غفلت میں نہ رہو کہ میں تبلیغ کر رہا ہوں، **تبلیغ کا کام تو بھائی اپنی اصلاح کیلئے ہے، اپنی اصلاح ہی نہیں تو تبلیغ کیسی؟**۔

ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں: ''ذکر بالجہر کو دوبارہ شروع کرنے کا عزم وارادہ بھی معلوم ہوا، اس کے لئے بہتر وقت تو تہجد کے بعد کا ہے کہ اس وقت یکسوئی بھی رہتی ہے اور دماغ بھی فارغ رہتا ہے، ورنہ جب بھی اہتمام سے پورا کرسکیں مناسب وقت مقرر کرکے پورا کرنے کی کوشش کرتے رہیں، اللہ جل شانہ استقامت وترقی عطا فرمائے''۔

''تمہارے اپنے معمولات کی پابندی کا علم ہوا آپ نے مزید کی خواہش کا اظہار کیا ہے، جو معمولات چل رہے ہیں انہیں کو پابندی سے پورا کرتے رہیں، اور دعوت کے اعمال کا اہتمام کرتے رہیں، **معمولات کو بڑھانے کی ضرورت نہیں کہ مدرسہ کی خدمات بھی دین ہی کے کام ہیں**، آپ نے اپنے مدرسہ کے طلبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بیعت ہونا چاہتے ہیں، اس کی کیا صورت ہوگی؟ جو طلبہ بیعت ہونا چاہتے ہیں ان کے نام لکھ کر بھیج دیں، بشرطیکہ وہ اپنی خواہش وطلب سے بیعت ہونا چاہیں، تمہارے کہنے یا زور دینے سے نہ ہوں''۔

بعض مرتبہ یہ زعم ہوتا ہے کہ الحمدللہ میں دین کا کام خوب کر رہا ہوں اور اس

میں اتنا مشغول ہوں کہ مجھے ذکر کے اہتمام کا بھی موقع نہیں ملتا، ایسا زعم اپنے لئے بہت خطرناک ہوسکتا ہے، ایک نباض ہی اس مرض کا علاج کرسکتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا کہ ”حضرت دعوت کی مشغولی میں بعض مرتبہ معمولات آگے پیچھے ہوجاتے ہیں کیا کروں؟ حضرت اس وقت لیٹے ہوئے تھے بیٹھ گئے اور ذرا لہجہ بدل کر فرمایا: کیوں بھائی فجر سے پہلے کیا کرتے ہو؟ بس میں ڈر گیا اور اس روز سے بیشتر معمولات فجر سے قبل ہی پورے کرنے شروع کردیئے، اب الحمدللہ حضرت کی توجہ کی برکت سے میرے معمولات عموماً فجر سے قبل ہی پورے ہوجاتے ہیں، **اللھم لک الحمد ولک الشکر** (مستفاد: تزکیہ واحسان اور اکابر تبلیغ ص ۷۷)۔

مشائخ کے عام اصول اور ضابطے کے مطابق حضرت مولاناؒ ”ذکرِ جہری“ کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ **اشغالِ صوفیا میں باطن کی صفائی کے سلسلہ میں ذکر بالجہر سب سے زیادہ مؤثر شغل ہے۔** (روایت جناب الحاج ڈاکٹر نادر علی خاں صاحب علیگ)۔

لیکن یہ تعلیم ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ ان ہی کے لئے تھی جن کے دماغ اور اوقات میں اس کی گنجائش ہو اور وہ پابندی کے ساتھ روزانہ اس کے کرنے والے ہوں۔

بیعت کے بعد مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی تعلیمات

بیعت محض ایک رسمی چیز نہیں بلکہ یہ زندگی کو عملی سانچے میں ڈھالنے کا

ایک معاہدہ ہوتا ہے، اسی لئے ہمارے مشائخ بیعت کے بعد اپنے منسلکین کو چند امور کی تعلیم دیا کرتے تھے، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ بھی اپنے متعلقین کو چند چیزوں کی تعلیم دیتے تھے جن کو ہم ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

بیعت کے بعد یوں ارشاد فرماتے: بس بھائیو دیکھو! جن چیزوں سے توبہ کی ہے ان سے بچتے رہیں، یہ بڑے بڑے گناہ ہیں، اگر ان سے بچتے رہو گے اور یہ پانچ عمل کرتے رہو گے تو انشاء اللہ بھلے بندے بن جاؤ گے۔

پہلی چیز: جو ہر مسلمان کے لئے ہے وہ نماز ہے، پانچ وقت کی فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرو اور نماز کسی جانکار کو سنا کر صحیح صحیح یاد کرلو، اور چار وقت کی نفلیں ہیں: تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، جہاں تک ہو سکے ان کا اہتمام کرو۔

دوسری چیز: اللہ کا ذکر ہے، جس میں تین تسبیح صبح کو اور تین تسبیح شام کو دھیان سے جی لگا کر پڑھو، ایک تسبیح **سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولاالٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** اور ایک تسبیح درود شریف کی، ایک تسبیح استغفار کی، یہ تین تسبیح صبح کو اور تین شام کو پڑھنی ہیں۔

تیسری چیز: قرآن پاک کی تلاوت ہے، جو بھائی قرآن پاک پڑھے ہوئے ہیں وہ روزانہ تلاوت کریں اور جو پڑھے ہوئے نہیں ہیں وہ روزانہ سیکھنا شروع کریں۔

چوتھی چیز: یہ فضائل کی کتابیں ہیں ان کو اپنی اپنی مسجدوں میں کسی نماز کے بعد تھوڑا تھوڑا اہتمام سے سنتے رہو۔

پانچویں چیز: گشتوں کا کرنا ہے، ہر آٹھ دن میں یہ گشت، اپنی بستی میں جماعت بنا کر آس پاس کی بستیوں میں جاتے رہیں اور سال میں کم سے کم ایک چلّے کیلئے نکلتے رہیں۔

عورتوں کے ذمے جماعت نہیں ہے وہ اپنے اپنے وقت میں اہتمام سے نماز پڑھیں، اور جماعت (تبلیغی جماعت) میں نکلنا بھی نہیں ہے، لیکن ملنے جلنے والیوں سے اپنے دین کی، ایمان کی، کلمہ کی، نماز کی، قرآن کی، جنت کی، دوزخ کی، آخرت کی باتیں کرتی رہیں، بیکار بات کرنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور گھروں سے برکت جاتی رہتی ہے، اور دین کی، ایمان کی باتیں کرنے سے دل زندہ ہوتا ہے، گھروں میں برکت آتی ہے، اور اپنے شوہروں کو، رشتہ داروں کو جماعت میں بھیجنے پر آمادہ کریں، اللہ قبول فرمائے آمین (مستفاد: سوانح مولانا انعام الحسن صاحبؒ ۳/۳۴۱)۔

آپ کے ایک مسترشد نے نظام الدین کے قیام میں زبانی طریقۂ ذکر کو معلوم کیا اور پھر اپنے وطن پہنچ کر تحریری طور پر دریافت کیا تو مندرجہ ذیل الفاظ میں آپ نے اس کی تفصیل لکھ کر بھیجی:

خط ملا۔ حال معلوم ہو کر مسرت ہوئی، اللہ رب العزت استقامت کی

توفیق مرحمت فرمائے، بارہ تسبیح جو بتلائی تھیں ان کی ترتیب پھر بتلاتا ہوں، وہ یہ کہ سورۂ فاتحہ تین دفعہ، آیت الکرسی ایک دفعہ، سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھ کر اپنے چاروں سلسلوں کے حضرات کو بخشیں، پھر گیارہ مرتبہ درود شریف، گیارہ مرتبہ استغفار اور یا حی یا قیوم برحمتک استغیث اسئلک من فضلک یا الله یا الله ان تطهر قلبی عن غیرک وان تنور قلبی بنور معرفتک ابداً ابداً لا حول ولا قوة الا بالله تین مرتبہ پڑھ کر لا الٰہ الا اللّٰہ دوسو مرتبہ اسی دھیان اور ترکیب سے جو کہ میں نے بتلائی تھی، اور ہر دس مرتبہ کے بعد محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم کہہ لیں، اس کے بعد الا الله چار سو مرتبہ، اس کے بعد الله الله چھ سو مرتبہ، آخر میں اللہ ایک ضربی ایک سو مرتبہ، آخر میں مراقبہ میں بیٹھ جائیں اور دھیان کریں کہ اللہ کا نور دل میں داخل ہو رہا ہے، نیز نوافل، تلاوت وغیرہ کا اہتمام فرماتے ہوئے نماز باجماعت کی پابندی فرمائیں، اور مقامی کام میں اہتمام سے شرکت فرماتے رہیں (سوانح مولانا انعام الحسن صاحبؒ)۔

حضرت جی ثالثؒ کا راہِ سلوک میں انہماک اور شغف اور اپنے مریدین و منتسبین کو اہلِ خانقاہ کے وظائف اور معمولات کی تلقین کرنا اور ان کو خانقاہی مشائخ کے طرز اور نہج پر لے کر چلنا ان سب باتوں کا اندازہ آپ گذشتہ سطور سے بخوبی کر چکے ہیں، اس سب کے باوجود بھی اگر دور حاضر کے

اہلِ تبلیغ سلوک وتصوف کو ایک سرسری شے اور اہلِ خانقاہ کی مساعی کو دین کی محنت کے دائرے سے باہر کی چیز سمجھیں تو اس کو سراسر نادانی کے سوا کہا بھی کیا جاسکتا ہے، سلوک وتصوف دین کا ایک شعبہ ہے اور ہمارے اکابرِ ثلاثہ نے دین کے ہر شعبہ کو زندگیوں میں لانے کیلئے بھرپور کوششیں کی ہیں۔

ذکر کے بارے میں حضرت جیؒ کے خیالات

ذکر کی لائن کو حضرت جیؒ کس نظر سے دیکھتے تھے اس کے تعلق سے حضرت کی چند آراء پیشِ خدمت ہیں:

ایک موقع پر ارشاد فرمایا: ''بارش کا پتھر پر اثر نہیں ہوتا، زمین پر ہوتا ہے، دل کی سختی پتھر سے زیادہ سخت ہے، دل نرم ہوگا تو بات اثر کرے گی، اللہ کا نام لینے سے دل نرم ہوں گے تو جنت دوزخ کی بات دل میں اثر کرے گی، دل میں نرمی لانے کے لئے اللہ پاک کا نام لینا ہے، تسبیحات کی پابندی کرنی ہے'' (سوانح مولانا انعام الحسن صاحب ۳/۱۵۷)۔

فرمایا: 'اجتماعی وانفرادی اعمال اللہ جل شانہ کے ذکر کے ساتھ اور اللہ کے وعدوں پر یقین کے ساتھ اگر کیے جائیں تو اس سے ہمارے اندر نور کی کیفیت پیدا ہوگی''۔

فرمایا ''ذکر کا اہتمام کیا جائے، جتنا ذکر اہتمام سے کیا جائے گا اتنا دھیان پیدا ہوگا اور جتنا دھیان پیدا ہوگا اتنا ہی خدا کا حکم پورا کرنے کی فکر ہوگی

اور جتنی فکر ہوگی اتنا ہی صحیح کرنے کا خیال ہوگا'' (ایضا ۱۵۸/۳)۔

مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی فکری وسعت واعتدال

جناب قطب الدین ملاّ صاحبؒ رقم طراز ہیں: ''فکروں کی وسعت ایک بڑی دولت ہے، جس کی وجہ سے امت میں اتحاد پیدا ہوتا ہے اور مختلف طبقات قریب ہوتے چلے جاتے ہیں، اور اعتدال تو اسلام کا خاصّہ ہے، ''اسلام'' جس دین کو کہتے ہیں اس کے ہر ہر عمل میں اعتدال رکھا گیا ہے، اگر اعتدال ملحوظ نہ رہے تو ہر طرح کا انتشار وخلفشار پیدا ہوکر دین ہی زندگی سے نکل جائے، غلو ہر زمانے میں تفرقہ وانتشار کا اور گمراہیوں کا سبب بنا ہے، اس طرح دینی محنتوں کو ہر طرح کی غلو آمیزیوں سے بچا کر اعتدال کے ساتھ کرنا ہے جو مطلوب ہے، حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کے کمالات میں سے یہ بھی ہے کہ اعتدال کی زبان بولتے تھے، آپ کی زبان دعووں کی نہیں دعوت کی تھی، ہر طرح کی غلو آمیزی سے احتراز کرکے اعتدال کے ساتھ دعوت کو پیش فرماتے تھے (تزکیہ واحسان اور اکابر تبلیغ ۸۳)۔

آپ کی ''دعوتی بصیرت اور اصابت فکر کی سب سے مضبوط اور پختہ دلیل یہ ہے کہ آپ دین کے کس ایک ہی شعبہ کے ترجمان اور داعی نہیں تھے، بلکہ تمام دینی شعبوں اور گوشوں کی مکمل رعایت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس دعوت وتبلیغ کے ذریعہ ایک صالح معاشرہ اور اعمال سے مالا مال ایک خالص دینی

وروحانی ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے، چنانچہ آپ مختلف مجالس اور اجتماعات میں بڑے اعتماد ووثوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس دعوت والے کام کے ذریعہ یہ چاہتے ہیں کہ جس وقت حضور اکرم ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اس وقت جو اس امت کی (دینی وایمانی) حالت تھی اس حالت پر تمام امت آجائے''۔

اسی طرح آپ کی دعاؤں میں یہ فقرہ کہ: اے اللہ! اس نقل وحرکت کے ذریعہ دین کے تمام شعبوں کو زندہ فرما، اس بات کو پورے طور پر واضح کرتا ہے کہ آپ کی نگاہ پورے دین پر تھی اور اس دعوت کے ذریعہ پورے دین کے احیاء کی کوشش آپ کے پیش نظر تھی، موجودہ زمانے میں دین کی حیات کے جتنے شعبے اور طریقے ہیں خواہ وہ درس وتدریس ہو یا تصنیف وتالیف اور وعظ وارشاد، دینی مدارس اور علمی جامعات ہوں، یا سلوک واحسان کی راہ سے تزکیہ وتجلیہ اور بیعت وطریقت، حضرت مولاناؒ کا ان سب شعبوں سے براہِ راست اور بہت قریبی تعلق تھا، آپ نے حکمت وتدبیر کے ساتھ ہمیشہ اس کی کوشش فرمائی کہ دعوت وتبلیغ کی شکل میں چلنے والا یہ عملِ نبوت، دین کے ان تمام شعبوں کے ساتھ مربوط ہوکر چلتا ہے، تاکہ ایک دوسرے سے تقویت پہونچے'' (سوانح مولانا انعام الحسن صاحبؒ جلد۳رص ۱۴۸تا۱۴۹)۔

تصوّف اور خانقاہی اعمال سے تعلق کو فکروں کا انتشار نہیں کیا جاسکتا

دعوت کے کام میں پورے استخلاص کے ساتھ لگنے کے باوجود ہمارے

اکابر نے بیعت کا سلسلہ بھی چلایا ہے اور بیعت والوں نے اس معروف طریقے کو اختیار کرتے ہوئے اپنے متبعین کو ذکر کی تلقین بھی کی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ امور یعنی بیعت کرنا اور ذکر کا طریقہ معلوم کر کے ذکر کرنا اور ذکرِ جہری کرنا وغیرہ، دعوت والے کام کے استخلاص کے خلاف نہیں ہیں، یہ باتیں اگر دعوت کے کام کے استخلاص کے خلاف ہوتیں تو یقیناً یہ حضرات اس سلسلہ کو نہ چلاتے، ملحوظ رہے کہ ذکر میں لگنا اور اس کی محنت کرنا ان باتوں کو فکروں کا بٹنا اور فکروں کا انتشار نہیں کہا جا سکتا بلکہ فکروں میں یکسوئی اور اعمال میں استخلاص پیدا کرنے ہی کیلئے یہ امور ضروری ہیں، اس لئے ذکر والی محنت، ذکر کی مجلسیں اور بیعت وغیرہ کو استخلاص کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش دعوت کے کام کو بدنام کردے گی اور بلا وجہ ان باتوں کو نزاعی مسئلہ بنانا، دعوت کے کام میں انتشار پیدا کرنا ہے، ذہن میں رہے جب کسی قوم کی بربادی کا وقت آتا ہے تو اس کی عملی حیثیت ختم ہو جاتی ہے، اور وہ قوم بحث ومباحثہ میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

وسعتِ قلبی کی ضرورت

حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے امت کے تمام طبقات کو ساتھ لے کر چلنے اور ان کی مختلف صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مولانا کو وُسعتِ قلب کی بڑی دولت عطا فرمائی تھی اور بڑا وسیع ظرف بخشا تھا، جس میں تمام دینی جماعتوں اور ہر قسم کے اختلافات وخصوصیات کے ساتھ تمام اہلِ حق کی بیک وقت گنجائش تھی، ہر شخص کے لئے مرتبہ اور شخصیت کے لحاظ سے الگ خانہ تھا، اور قلب میں خاص جگہ تھی، عربی شاعر کے بقول ؎

لِكُلِّ امْرِئٍ شِعَبٌ مِنَ الْقَلْبِ فَارِغٌ
وَمَوْضَعُ نَجْوىٰ لَا يُرَامُ اِطِّلَاعُهَا

مولانا کے نزدیک مسلمانوں کا کوئی طبقہ جوہر اور مسلمانوں کا کوئی فرد ہنر سے خالی نہیں، ہر طبقہ میں کوئی نہ کوئی صفت ہے جو دوسرے میں نہیں، لہذا ہر طبقہ کو دوسرے سے اس صفت میں استفادہ کرنا چاہیئے، مولانا ان تمام طبقوں کی ان امتیازی صفتوں سے اپنی تحریک ودعوت میں استفادہ کرنا چاہتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا خاص ملکہ عطاء فرمایا تھا کہ ان صلاحیتوں سے وہ اپنے کام میں فائدہ اٹھالیتے تھے۔

خصوصاً جن لوگوں یا طبقوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص جوہر یا فطری

صلاحیتیں اور دین سے مناسبت عطا فرمائی ہے ان کو دین میں مشغول کرنے اور ان کی اس نجابت وصلاحیت سے استفادہ کرنے اور اس کو دین کے فروغ اور ترقی کا ذریعہ بنانے کا بڑا اشتیاق رکھتے تھے، ایک بزرگ کو ایک کارکن کے متعلق لکھتے ہیں: ''سادات کے متوجہ کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہیں، تعلیم میں بھی اور تبلیغ میں بھی، اور یہ بھی یاد رکھیں اور سمجھتے رہیں کہ جو لوگ جس قدر زیادہ اہل ہیں ان کے اصل مرکز تک پہونچنے میں نزاکتیں بھی بہت زیادہ ہیں''۔

ایک روز میں نے عرض کیا کہ ''حضرت ندوہ کے لوگوں نے اہلِ دین کی طرف ہمیشہ عقیدت کا ہاتھ بڑھایا مگر ان کی طرف اس کے جواب میں محبت کا ہاتھ نہ بڑھا، ان کو ہمیشہ بیگانگی اور غیریت کی نگاہ سے دیکھا گیا، خدا کا شکر ہے کہ آپ نے ہمارے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا اور ہمارے ساتھ یگانگت کا معاملہ کیا، مولانا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا: ''آپ کیا فرماتے ہیں، آپ کی جماعت تو اہلِ دین کی جماعت ہے، میں تو علی گڈھ والوں کو بھی چھوڑنے کا قائل نہیں، ان سے بھی بعد اور وحشت صحیح نہیں''۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ اس دعوت وتحریک میں مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلما، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور ان کے ساتھ انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اساتذہ اور تجارت پیشہ، ملازمت پیشہ اور ہر طرح کے کاروباری مسلمان دوش بدوش ہیں، اور کوئی دوسرے سے متوحش نہیں، مولانا

ہر ایک کے امتیازِ خصوصی کی خصوصی داد دیتے تھے اور تعریف کرتے تھے۔

......اداروں کے علاوہ روحانی سلسلوں اور مشائخِ طریقت کے منتسبین کے متعلق بھی مولانا کی وسعتِ قلب کا یہی حال تھا، کسی شیخِ طریقت کے منتسبین اس کام کی طرف توجہ کرتے تو بے حد خوش ہوتے اور ان کا بڑا اکرام کرتے، میں نے مجدّدی طریقہ اور کبھی حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والوں کا تعارف کرایا تو بہت مسرور ہوئے اور ان کا بڑا اکرام کیا، اور فرمایا کہ: ''میں بچپن سے اپنے بزرگوں سے سن رہا ہوں کہ اس زمانہ کے دو قطب تھے، پچھّم میں حضرت گنگوہیؒ اور پورب میں حضرت مولانا فضل الرحمان صاحبؒ، میری بڑی آرزو ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لوگ اس طرف متوجہ ہوں''۔

ہمیں بھی آج اسی وسعتِ قلبی کو اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ امت کے تمام طبقات اور دین کے تمام شعبے باہم مربوط رہیں اور افتراق وانتشار کی بادِ سموم اتحاد و یگانگت کی خوش گوار فضا میں تبدیل ہو سکے، آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمین۔

شمشاد احمد مظاہری

مدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

مصادر ومراجع

القرآن الکریم
تفسیرِ جلالین
تفسیر سمرقندی
معارف القرآن
تفسیرِ رازی
صحیح بخاری
فتح الباری
ترمذی شریف
درسِ ترمذی
تقریرِ مشکوٰۃ
مرقاۃ المفاتیح
لمعات شرح مشکوٰۃ
المحلی لابن حزمؒ
احسن الفتاویٰ
فتاویٰ محمودیہ
نوادر الفقہ
مجالسِ ابرار
آئینہ ارشادات
مولنا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت
ملفوظات مولانا محمد انعام الحسنؒ
حیاتِ محمود
تذکرہ فقیہ الامت
تبلیغی جماعت اور مولانا مفتی محمود الحسنؒ
تبلیغی تقریریں
ماہنامہ ترجمانِ دیوبند
ملفوظات واقتباسات
دینی کام کرنے والوں میں باہمی ربط کیسا ہو؟
تبلیغی کام کے اہم اصول
سہ ماہی ''حسامی'' حیدر آباد
الاضواء علی الحرکات والدعوات
تبلیغ سے تعلیم کا جوڑ
آدابِ التبلیغ
تبلیغ وتعلیم دو اہم مسئلے
ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ
ارشادات ومکتوبات
جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات
الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر
مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ امیر جماعتِ تبلیغ
تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ
سوانح حضرتِ مولانا محمد یوسفؒ کاندھلوی
مکتوباتِ اکابرِ تبلیغ
سوانح مولانا محمد انعام الحسنؒ
تزکیہ واحسان اور اکابرِ تبلیغ
الاعتدال فی مراتب الرجال
راہِ اعتدال
آپ بیتی
ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور
تبلیغ کی شرعی حیثیت
مواعظِ عبیدیہ
ماہنامہ حسنِ تدبیر
شیخ الحدیث نمبر
ماہنامہ الفرقان لکھنؤ